ارمغانِ غالب

مرزا غالب کے اردو اور فارسی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا انتخاب
تاریخی ترتیب سے

از

شیخ محمد اکرام - ایم - اے - آئی سی - ایس مؤلف غالب نامہ

ناشر

تاج آفس - محمد علی روڈ بمبئی

ز۔ ا کے نام

در عشق غنچہ ایم کہ لرزد ز بادِ صبح
در کارِ زندگی صفتِ سنگ خارہ ایم

مرکنٹائل پریس لاہور میں شیخ محمد اقبال ایم۔اے پرنٹر و پبلشر نے چھپوا
تاج آفس، محمد علی روڈ، بمبئی سے شائع کیا

فہرس

شمار					صفحہ
۱	ریختہ	۱۸۰۷ء (؟)	تا	۱۸۲۱ء	۲۵
۲	خمخانۂ شباب	۱۸۲۱ء	تا	۱۸۳۷ء	۱۰۵
۳	بہارِ عجم	۱۸۳۷ء	تا	۱۸۴۷ء	۱۴۳
۴	نوائے ظفر	۱۸۴۷ء	تا	۱۸۵۷ء	۲۳۷
۵	چراغِ سحری	۱۸۵۷ء	تا	۱۸۶۹ء	۲۹۹

دیباچہ

آج سے کوئی آٹھ سال پہلے ہم نے غالب نامہ میں منتخب کلام غالب کو تاریخی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ کتاب کی دوسری اشاعت ۱۹۳۹ء میں بعض اصلاحیں ہوئیں۔ اور اب مزید ترمیم کے بعد یہ انتخاب، طویل مقدمہ کے بغیر، ناظرین کے پیش خدمت ہو رہا ہے۔

موجودہ تدوین میں غالب نامہ کے دوسرے ایڈیشن سے اس لحاظ سے اختلاف ہے کہ چند نئی اردو اور فارسی غزلوں کے اضافہ کے علاوہ ان برسوں کا اردو کلام بھی، جب مرزا کی اصل توجہ فارسی کی طرف تھی، تین جزوی ادوار میں منقسم کر دیا ہے۔ اور اسے باقی کلام سے علیحدہ ترتیب دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں ایک دور کے متعلق رام پور کے اس قلمی دیوان سے مدد ملی ہے جس کے شروع میں دیباچہ مورخہ ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۸ھ درج ہے۔ اور جس کی بنا پر ہم نے ۱۸۲۷ء کے بعد اور ۱۸۳۳ء سے پہلے کے اردو اشعار کو علیحدہ ترتیب دیا ہے۔ اس قلمی دیوان سے ہم مولوی امتیاز علی عرشی کی عنایت سے مستفید ہوئے جنہوں نے ہمیں اس کا پتہ دیا۔ اور اس کے اندراجات کا خلاصہ ارسال کیا۔

اس کے علاوہ غالب نامہ کے دوسرے ایڈیشن میں جو غلطیاں کاتب کی بے احتیاطی سے راہ پا گئی تھیں۔ ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ اور شاید موجودہ ترتیب پہلی دو اشاعتوں سے ہر طرح زیادہ صحیح اور مکمل نظر آئے۔

جن اصولوں اور جن ماخذ کی بنا پر یہ انتخاب مدون ہوا ان کی تفصیل [illegible] میں درج کر دی گئی ہے۔

ارمغان غالب کی کتابت کے لیے ہم نے ایک کاتب امراؤ قلم کو جو پنجاب یونیورسٹی کا منشی فاضل تھا، خاص طور پر لاہور سے بلایا تھا۔ اور کتابت اپنی نگرانی میں کرائی۔ لیکن ابھی کاپی کی چھپائی

کلامِ غالبؔ کی تاریخی تدوین

دیوانِ غالب کی تاریخی تدوین میں سب سے پہلا قدم مفتی انوار الحق نے اٹھایا۔ جنہوں نے نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت کے وقت غالب کے وہ اشعار جو چھبیس برس کی عمر سے پہلے لکھے گئے تھے۔ بعد کے اشعار سے جدا کر کے ترتیب دئے۔ مفتی صاحب نے یہ ترتیب صحیح عالمانہ ذوق سے متاثر ہو کر دی ہے لیکن اس التزام میں انہیں بہت پیچیدگیاں پیش نہیں آئیں۔ دیوان کے مرتب کرتے وقت ان کے پیشِ نظر دیوانِ غالب کا ایک ایسا قلمی نسخہ تھا۔ جس پر تاریخ کتابت ۱۲۳۷ھ درج تھی۔ ظاہر ہے کہ جو اشعار اس نسخے میں موجود تھے۔ وہ تاریخ کتابت سے پہلے ہی لکھے گئے تھے۔ اور چونکہ شاعر کی عمر اس وقت چھبیس برس کی تھی۔ اس لئے جو اشعار اس نسخے کے متن میں درج تھے۔ وہ اس عمر تک لکھے جا چکے ہوں گے۔ مفتی صاحب نے یہ نسخہ کسی قدر احتیاط سے مرتب کیا۔[ل] لیکن پھر بھی اس میں کئی غلطیاں ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ

ل کتابت کی غلطیاں اس میں بے شمار ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں تک قلمی نسخے کے بعد کی غزلوں کا تعلق ہے۔ یہ نسخہ نظامی پریس کے شائع کردہ دیوانِ غالب (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) کی

(باقی اگلے صفحے پر)

طور پر اصلاح نہ ہو سکی تھی کہ اُسے لاہور واپس جانا پڑا۔ اور کاپی کی تصحیح کا مزید کام ہمارے دیرینہ کرم فرما ڈاکٹر سید عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی۔ لٹ لیکچرر پنجاب یونیورسٹی کی نگرانی میں ہوا۔

ارمغانِ غالب کی کتابت ہو رہی تھی کہ رام پور سے غالب کا اپنا مرتب کردہ انتخاب شائع ہوا۔ ریاست رام پور نے جس شاہانہ اہتمام سے غالب کی بعض تصنیفات اور تبرکات کو شائع کیا ہے اور مولوی امتیاز علی عرشی نے جس نفاست و صحت کے ساتھ اس کام کی تکمیل کی ہے۔ وہ مستحق صد داد و آفریں ہے۔ انتخاب غالب کو دیکھنے کے بعد کچھ عرصہ تو ہم متامل رہے کہ ارمغان بلکہ غالب کی اشاعت کا ایک بڑا مقصد غالب کے فارسی کلام کو ایک منتخب اور خوش آیند صورت میں پیش کرنا تھا۔ اب جبکہ خود شاعر کا مرتب کردہ انتخاب بازار میں آ گیا ہے۔ شاید ارمغان کی اشاعت جرأتِ بے مذموم سمجھی جائے لیکن پھر خیال آیا کہ اگرچہ شاعر کے اپنے انتخاب میں جو بات ہے وہ کسی اور کے انتخاب میں نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی ارمغان میں کلام تاریخی ترتیب سے درج ہے۔ اور انتخاب میں ردیف کی رعایت ہے۔ اس کے علاوہ مرزا نے اردو انتخاب مرتب کرتے وقت منتخب دیوان کے باہر کے سب اشعار اور فارسی انتخاب کے وقت غزلیات اور رباعیات کے سوا باقی سب کلام کو (جو قدر و قیمت اور حجم میں غزلیات و رباعیات سے کم نہیں) نظر انداز کر دیا ہے اس لئے شاید اس کے بعد بھی ایک زیادہ مکمل انتخاب کی ضرورت باقی ہے۔

اس کے علاوہ اگرچہ اپنے کلام کے انتخاب کا جو حق خود شاعر کو ہے، وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا لیکن جیسے کہتے ہیں "پسند اپنی اپنی" اور کیا یہ مرزا کا اپنا ارشاد نہیں کہ اپنے شعر کی وادی میں بھی اسد

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے!

اکرام

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی   میری وحشت تری شہرت ہی سہی

مفتی انوار الحق کے بعد دیوانِ غالب کی ترتیب کی سب سے پہلی باقاعدہ کوشش ڈاکٹر سید عبد اللطیف نے کی۔ اُن کا مرتبہ دیوانِ غالب ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ حالانکہ ۱۹۲۸ء میں اس کی اشاعت کے وعدے ہوئے تھے۔ لیکن جن اصولوں پر وہ اُسے مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تشریح انہوں نے اپنی کتاب کے تیسرے باب میں کر دی ہے۔ اس کے مطابق انہوں نے غالب کے اردو کلام کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

۱۔ دورِ اوّل   ۱۸۱۱ء۔ ۱۸۲۱ء

۲۔ دورِ ثانی   ۱۸۲۲ء۔ ۱۸۳۲ء

۳۔ دورِ ثالث   ۱۸۳۲ء۔ ۱۸۵۵ء

۴۔ دورِ رابع   ۱۸۵۶ء۔ ۱۸۶۹ء

بظاہر تو یہ ترتیب نہایت معقول ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ اگر شاعر کے کلام کو ان چار بڑے حصوں میں ترتیب دے کر مطالعہ کیا جائے تو اس کی ذہنی نشو و نما کے سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس تاریخی ترتیب کا ذریعہ بھوپالی نسخے کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ بیشک اس نسخے کے حاشیے کے اشعار کو انہوں نے ترتیب دے کر ہماری واقفیت میں اضافہ کیا ہے لیکن اس بارے میں بھی ان کی یہ رائے غلط ہے۔ کہ جو اشعار قلمی نسخے کے متن یا حاشیے میں درج نہیں وہ سب ۱۸۳۲ء کے بعد کے ہیں۔ نواب مصطفٰے خان شیفتہ نے گلشنِ بے خار ۱۸۳۲ء میں لکھی۔ اس میں انہوں نے غالب کے اردو دیوان کا انتخاب دیا ہے۔ اور کئی ایسی

مطبوعہ کتاب ہُوبہُو قلمی نسخے کے مطابق ہے۔ مثلاً نسخۂ حمیدیہ کے صفحہ ۱۵ پر ایک غزل ہے

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ؎
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

مفتی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ غزل قلمی نسخے میں درج ہے۔ لیکن مطبوعہ کتاب میں انہوں نے قلمی نسخے کے جس صفحے کا عکس چھاپا ہے۔ اس کے حاشیے پر یہ غزل موجود ہے۔ اسی طرح مندرجہ ذیل غزلیں بھی قلمی نسخے کے حاشیے پر درج ہیں۔ لیکن مطبوعہ کتاب میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ؎

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا　　عشقِ نبرد پیشہ طلبِ گارِ مرد تھا

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا　　یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟

پھر ہُوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

(بقیہ نوٹ از صفحہ ۹)
نقل ہے۔ نظامی پریس والوں نے تو اس ایڈیشن کے آخر میں غلط نامے کا اضافہ کر دیا۔ اور بعد کے ایڈیشنوں کو بڑی احتیاط سے مرتب کیا لیکن نسخۂ حمیدیہ نقل کرتے وقت غلط نامہ نظر انداز کر دیا گیا۔ اور غلطیاں جاری نقل کر لی گئیں۔ قلمی نسخے کی غزلیں بھی مطبوعہ ایڈیشن میں اصل کے مطابق نہیں۔

ب کہ آئین نامہ طرازان ہنگامہ آراست ۔ از کشورکشایان تا نصیرالدین سلطان ہمایوں
ءامہ ۔ باقی فرواست "چونکہ مرزا نے ہمایوں کے بعد کے حالات لکھے ہی نہیں ۔
ظاہر ہے کہ مہرِ نیمروز ۱۸۵۲ء تک مکمل ہو گئی ہو گی ۔ علاوہ ازیں طلب ضیاالدین
طباعت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ ۱۸۵۵ء میں یہ کتاب چھپ بھی گئی تھی اور اس کا
کا چھپا ہوا ایک نسخہ برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے ÷

اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ۱۸۵۹ء کے بعد کی اہم تصنیف مرزا کی
ی "ابرِ گہر بار" ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب سرسید نے ۱۸۴۵ء میں
ستادید لکھی تو یہ مثنوی لکھی جا چکی تھی ۔ چنانچہ سرسید لکھتے ہیں " اور ایک مثنوی مشتمل
ت ۔ ۔ ۔ کے اگرچہ ہنوز ناتمام ہے لیکن پھر بھی قریب بنا بر دو سو لہ حز و کے ہو چکی
ہ ازیں اس مثنوی کے کئی اشعار "مہرِ نیمروز" میں منتخب ہوئے ہیں ÷

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ غالب کا اردو دیوان ۱۸۵۵ء کے قریب منتخب ہوا ۔
کریم الدین نے ۱۸۴۸ء میں جو "تذکرۃ الشعرائے اردو" دہلی سے شائع کیا ۔ اسمیں
کے متعلق لکھتے ہیں ۔" ۔ ۔ ۔ اور ایک دیوان اردو ان کی تصنیف سے بہت چھوٹا
سید الاخبار میں درمیان ۱۸۴۳ء کے چھپا تھا وہ دیوان بندہ کے
ہے ۔" اسی ضمن میں انہوں نے انتخاب کے متعلق بھی ذکر کیا ہے ۔ کہ مرزا نے ایک
کو "منتخب کر کے چھوٹا سا دیوان بنا لیا ہے" ظاہر ہے کہ یہ دیوان جو بقول مولوی
۱۸۴۳ء میں چھپ کر شائع ہوا ۔ اس سے پہلے منتخب ہوا ہو گا ۔ اسکے علاوہ

خراء کا جو نسخہ ہمیں ملا ہے ۔ اس میں اس کا پہلا بند سے ٹھیک طرح پڑھا نہیں جا تا ÷

الیف کتا

غزلوں کے اشعار درج کئے ہیں۔ جو بھوپالی نسخے کے حاشیے پر تو موجود نہیں لیکن بظاہر یقین راند
کہ اگر وہ ۱۸۳۲ء سے بعد کی ہوتیں تو ان کا انتخاب شیفتہ اپنے تذکرے میں نہ کر سکتے۔ اسی طرح لیتے
"چکنی ڈلی" کی تعریف میں مرزا کا جو قطعہ ہے۔ وہ قیام کلکتہ کے دوران میں یعنی ۱۸۳۲ء سے تاریخ
پہلے لکھا گیا لیکن قلمی نسخے کے حاشیے پر اُس کا کوئی اندراج نہیں۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کی اس ۱۸۵۵ء
رائے سے اتفاق ہے کہ جو اشعار نسخۂ حمیدیہ کے حاشیے پر درج ہیں۔ وہ ۱۸۳۲ء سے پہلے
کے بلکہ ہماری تحقیق کے مطابق ۱۸۲۷ء سے بھی پہلے کے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ اندرسی مغنو
نہیں ہو سکتا کہ قلمی نسخہ ۱۸۳۲ء تک کے تمام اشعار کی مکمل یادداشت ہے۔ اور جو اشعار آثار الف
اس میں نہیں وہ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۵۵ء تک یعنی تیسرے دور کے شمار کئے جانے چاہئیں۔ بہر غور وار
ڈاکٹر صاحب کی کتاب کلام غالب کو کسی علمی اصول کے تحت مرتب کرنے کی پہلی کوشش ہے۔" علاوہ
کوشش ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی شاعر کے کلام کو تاریخی ترتیب سے مرتب
کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو جس قدر تنقید اور ریسرچ کے عام اصولوں سے واقفیت موازی
سے واقفیت ہے اُتنی غالب کی تصنیفات سے نہیں۔ اور اپنی کتاب میں انہوں نے کئی غالب۔
باتیں ایسی لکھی ہیں جو غلط ہیں۔ ان غلطیوں نے ان کی کتاب کی علمی وقعت کو بہت نقصان مطبع
پہنچایا ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۲ پر وہ غالب کے متعلق لکھتے ہیں۔ "وہ ۱۸۵۷ء کے غدر تک بھی
مہر نیمروز لکھنے میں مشغول رہا۔" حالانکہ مرزا یہ کتاب ۱۸۵۲ء میں ختم کر چکے تھے۔ وہم دلوا
۱۱ر جون ۱۸۵۲ء کے ایک فارسی خط میں منشی جواہر سنگھ جوہر کو لکھتے ہیں۔ "مسودۂ روزنامہ الدین
رُوداد اورنگ نشینانِ چغتائیہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ام۔ و ہنوز اثر رسیدن
نشاں نیافتہ ام۔" انہوں نے مولوی رجب علی خان کو ایک خط مارچ ۱۸۵۲ء کے بعد لکھا تذکرۃ الـ
اس میں بھی اس کتاب کا ذکر ہے۔ "بعد حمد و نعت و منقبت و مدح والیٔ عصر و سابقہ

بزمِ داغِ طرب و باغِ کشادِ پرِ گل　　شمع و گل تا کے و پروانہ و بلبل تا چند
نالہ دامِ ہوس و دردِ اسیری معلوم　　شرحِ بر خود غلطیہائے تحمل تا چند
سادگی ہے عدمِ قدرتِ ایجادِ غنا　　ناکسی با آئینہ نازِ توکل تا چند
اسدِ خستہ گرفتارِ دو عالمِ اوہام
مشکل آساں کن یک خلق بتغافل تا چند

بہ کامِ دل کریں کس طرح گمرہاں فریاد　　ہوئی ہے لغزشِ پا لکنتِ زباں فریاد
کمالِ بندگیٔ گل ہے رہنِ آزادی　　ز دستِ مشتِ پرِ و خارِ آشیاں فریاد
نوازشِ نفسِ آشنا کہاں ورنہ　　برنگِ نَے ہے نہاں در سرِ استخواں فریاد
تغافل آئینہ دارِ خموشیٔ دل ہے　　ہوئی ہے محو بہ تقریبِ امتحاں فریاد
ہلاکِ بے خبری نغمۂ وجود و عدم　　جہان و اہلِ جہاں سے جہاں جہاں فریاد
جوابِ سنگدلیہائے دشمناں ہمت　　ز دستِ شیشہ دلیہائے دوستاں فریاد
ہزار آفت و یک جانِ بے نوائے اسد
خدا کے واسطے اے شاہِ بیکساں فریاد

شبنمِ آتشینِ رخِ پر نور　　عرق از خط چکیدہ روغنِ مور
بسکہ ہوں بعدِ مرگ بھی نگراں　　مردمک سے ہے خالِ بر لبِ گور
بار لائی ہے دانہائے سرشک　　مژہ سے ریشۂ رزِ انگور
ظلم کرتا گدائے عاشق پر　　نہیں شاہانِ حسن کا دستور

مرزا کی فارسی نظم و نثر کا ایک بیش قیمت مجموعہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے۔ جس کی تاریخ کتابت لائبریری کی مطبوعہ فہرست میں تو ۱۲۵۴ھ ہجری درج ہے۔ لیکن جو یقیناً ۱۲۵۴ یعنی ۱۸۳۸ء میں نقل ہوا۔ اس میں بھی دیوان ریختہ کا فارسی دیباچہ موجود ہے۔ ہمارے خیال میں اس زبردست شہادت کی بنا پر یہ یقین کرنا خطرے سے خالی ہوگا۔ کہ مرزا کا پہلا اردو دیوان پچیس[۱] برس کی عمر سے پہلے ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اور اس کے چند سال بعد انہوں نے اس میں سے مشکل اور کم پایہ اشعار نکال کر منتخب دیوان ریختہ مرتب کر لیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے بیشتر فارسی شعر کہے ہیں۔ اردو اشعار بہت کم۔ ان کا پہلا اردو دیوان اکتوبر ۱۸۴۱ء میں مطبع سید الاخبار سے شائع ہوا۔ اس مطبوعہ نسخے کی ایک نقل سید ابو محمد صاحب کے پاس اور دوسری پبلک لائبریری رامپور میں ہے۔ دیوان کا دوسرا ایڈیشن تھوڑے سے اضافے کے بعد مئی ۱۸۴۷ء میں مطبع دار السلام دہلی سے شائع ہوا جس کی نقلیں کئی حضرات[۲] کے پاس ہیں۔ اس کے بعد دربار کے تعلقات کی وجہ سے مرزا کو اردو کی طرف زیادہ توجہ دینی پڑی اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں جب انہوں نے نواب رامپور کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا۔ تو اس کے ساتھ انہوں نے اپنے اس زمانے کے کہے ہوئے اردو کلام کا مجموعہ بھیجا۔ یہ مجموعہ متداول دیوان کی بنیاد ہے۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ یہ کلام غالب کا پہلا انتخاب نہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے مرزا کی فارسی تصنیفات کو بہت اہمیت نہیں دی۔ انہوں نے غالب کے اردو کلام کو چار دوروں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن فارسی کلام کو بالکل بالائے طاق رکھا ہے۔ ایک شاعر کے کلام کی تاریخی تدوین کا سب سے

---

[۱] مثلاً مولانا حسرت موہانی۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف مرتب "درس غالب" لاہور۔ مسٹر انور علی انور دہلوی

نہ بندھا تھا عدمِ نقش پئے مور ہنوز — تب سے ہے یاں دہنِ یار کا مذکور ہنوز
صد تجلی کدہ ہے حسرتِ جیبِ غربت — پیرہن میں ہے غبارِ شررِ طور ہنوز
پاے بیمارِ آبلہ راہِ طلب سے ہیں ہوا — ہاتھ آیا نہیں یک دانۂ انگور ہنوز
گل کھلے غنچے چٹکنے لگے اور صبح ہوئی — سرخوشِ خواب ہے وہ نرگسِ مخمور ہنوز

اے اسدؔ تیرگیِ بختِ سیہ ظاہر ہے
نظر آتی نہیں صبحِ شبِ دیجور ہنوز

حاصلِ وابستگی ہے عمرِ کوتاہ اور بس — وقفِ عرضِ عقدہ ہائے متصل تارِ نفس
کیوں نہ طوطیِ طبیعت نغمہ پیرائی کرے — باندھتا ہے رنگِ گل آئینہ پر چاکِ قفس
اے ادا فہماں صدا ہے تنگیِ فرصت سے خوں — ہے بصحرائے تحیر چشمِ قربانی جرس
تیز تر ہوتا ہے خشمِ تندرویاں عجز سے — ہے رگِ سنگِ فسانِ تیغِ شعلہ خار و خس
سختیِ راہِ محبت منعِ دخلِ غیر ہے — پیچ و تابِ جادہ ہے یاں جوہرِ تیغِ عسس

اے اسدؔ ہم خود اسیرِ رنگ و بوئے باغ ہیں
ظاہرا صیادِ ناداں ہے گرفتارِ ہوس

دشتِ الفت میں ہے خاکِ کشتگاں محبوس و بس — پیچ و تابِ جادہ ہے خطِ کفِ افسوس و بس
ہے تصور میں نہاں سرمایۂ صد گلستاں — کاسۂ زانو ہے مجھ کو بیضۂ طاؤس و بس
کفر ہے غیر از وفورِ شوق رہبر خواستن — راہِ صحرائے حرم میں ہے جرس ناقوس و بس

یک جہاں گل تختۂ مشقِ شگفتن ہے اسدؔ
غنچۂ ناہا را افسردگی زانوے و بس

دوستو! مجھ ستم رسیدہ سے دشمنی ہے وصال کا مذکور

زندگانی پہ اعتماد غلط ہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور

کیجے چوں اشک، اور قطرہ زنی

اے اسد ہے ہنوز دلّی دور

بخشش بسعیِ ضبطِ جنوں نوبہارتر دل در گدازِ نالہ نگہ آبیارتر

قاتل بعزمِ ناز و دل از زخم درگداز شمشیر آبدار و نگاہ آبدارتر

ہے کسوتِ عروجِ تغافل کمالِ حسن چشمِ سیہ بسرمۂ نگہ سیہ گوارتر

اے چرخ خاک بر سرِ تعمیرِ کائنات لیکن بنائے عہدِ وفا استوارتر

آئینہ داغِ حیرت و حیرت شکنجِ یاس

سیماب بےقرار و اسد بےقرارتر

گو بیابانِ تمنا و کجا جولانِ عجز آبلے پا کے ہیں یاں رفتار کو دندانِ عجز

ہو قبولِ کم نگاہی تحفۂ اہلِ نیاز اے دل و اے جانِ ناز اے دین و اے ایمانِ عجز

بوسہ پا انتخابِ بدگمانیہائے حسن یاں ہجومِ عجز سے تا سجدہ ہے جولانِ عجز

حسن کو غنچوں سے ہے پوشیدہ چشمی ہائے ناز عشق نے وا کی ہے سر کے خار سے مژگانِ عجز

وہ جہاں مسند نشینِ بارگاہِ ناز ہو قامتِ خوباں ہے محرابِ نیاز ستانِ عجز

بسکہ بےپایاں ہے صحرائے محبت اے اسد

گردباد اس راہ کا ہے عقدۂ پیمانِ عجز

بدر ہے آئینۂ طاقِ ہلال   غافلاں! نقصاں سے پیدا ہے کمال
بسکہ ہے اصلِ دمیدنہا غبار   ہے نہالِ شکوۂ ریحاں سفال
نور سے تیرے ہے اِس کی روشنی   ورنہ ہے خورشید یک دستِ سوال
ہو جو بلبل پیرِ فکرِ اسدؔ
غنچۂ منقارِ گل ہو زیرِ بال

از آنجا کہ حسرت کشِ یار ہیں ہم   رقیبِ تمنائے دیدار ہیں ہم
رسیدن گلِ باغِ واماندگی ہے   عبث محفل آرائے رفتار ہیں ہم
نفس ہو نہ معزولِ شعلہ درودن   کہ ضبطِ تپش سے شررکار ہیں ہم
تغافل کمینگاہِ وحشت شناسی   نگہبانِ دلہائے اغیار ہیں ہم
تماشائے گلشن تمنائے چیدن   بہار آفرینا! گنہگار ہیں ہم
نہ ذوقِ گریباں نہ پروائے داماں   نگاہ آشنائے گُل و خار ہیں ہم
اسدؔ! شکوہ کفر و دعا نا سپاسی
ہجومِ تمنا سے لاچار ہیں ہم

ڈرتا ہوں کوچہ گردیٔ بازارِ عشق سے   ہیں خارِ راہ جوہرِ تیغِ عسس تمام
لے بالِ اضطراب کہاں تک فسردگی   یک پر زدن تپش میں ہے کارِ قفس تمام
گذرا جو آشیاں کا تصور بوقتِ بند   مژگانِ چشمِ دام ہوئے خار و خس تمام
کرنے نہ پائے ضعف سے شورِ جنوں اسدؔ
اب کی بہار کا یونہی گذرا برس تمام

عشاقِ اشکِ چشم سے دھوویں ہزار داغ　　دیتا ہے اور جوں گل و شبنم بہار داغ
جوں اعتمادِ نامہ و خط کا ہو مہر سے　　یوں عاشقوں میں ہے سببِ اعتبار داغ
ہوتے ہیں غیبت جلوۂ خور سے ستارگاں　　دیکھ اسکو دل سے مٹ گئے بے اختیار داغ

وقتِ خیالِ جلوۂ حسنِ بتاں اسدؔ
دکھلائے ہے مجھے دو جہاں لالہ زار داغ

بلبل کو دور سے کرتا ہے منع بارِ باغ　　ہے زبانِ پاسباں خار سرِ دیوارِ باغ
کون آیا جو چمن بے تابِ استقبال ہے　　جنبشِ موجِ صبا ہے شوخیٔ رفتارِ باغ
آتشِ رنگِ رخِ ہر گل کو بخشے ہے فروغ　　ہے دمِ سردِ صبا سے گرمیٔ بازارِ باغ
کون گل سے ضعفِ خاموشیٔ بلبل کہہ سکے　　نے زبانِ غنچہ گویا نے زبانِ خارِ باغ

جوشِ گل کرتا ہے استقبالِ تحریرِ اسدؔ
زیرِ مشقِ شعر ہے نقش از پئے احضارِ باغ

عیسیٰ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف　　دردآفریں ہے طبعِ الم خیز یک طرف
سنجیدنی ہے ایک طرف رنج کوہکن　　خوابِ گرانِ خسروِ پرویز یک طرف
خرمن بباد دادۂ دعوے ہیں ہو سو ہو　　ہم اک طرف ہیں برقِ شرر بیز یک طرف
ہر مو بدن پہ شہپرِ پروانہ ہے مجھے!　　بیتابیٔ دل تپش انگیز یک طرف

یک جانب اے اسدؔ شبِ فرقت کا غم ہے
دامِ ہوس ہے زلفِ دلآویز یک طرف

ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں
دامنِ تمثال آبِ آئینہ سے تر نہیں

ہے وطن سے باہر اہلِ دل کی قدر و منزلت
عزلت آبادِ صدف میں قیمتِ گوہر نہیں

باعثِ ایذا ہے برہم خوردنِ بزمِ سرور
لخت لختِ شیشۂ بشکستہ جز نشتر نہیں

ہے فلک بالا نشینِ فیضِ خم گردیدنی
عاجزی سے ظاہرا رتبہ کوئی برتر نہیں

کب تلک پھیرے اسے لب ہائے تفتہ پر زباں
طاقتِ لب تشنگی اے ساقیٔ کوثر نہیں

خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ
ورنہ ہے چرخ و زمیں یک ورقِ گرداندہ

میکدے میں ز دل افسردگیٔ بادہ کشاں
موجِ مے مثلِ خطِ جام ہے برجا ماندہ

خواہشِ دل ہے زباں کو سببِ گفت و بیاں
ہے سخن گرد ز دامانِ ضمیر افشاندہ

کوئی آگاہ نہیں باطنِ ہم دیگر سے
ہے ہر اک فرد جہاں میں ورقِ ناخواندہ

حیف بے حاصلیٔ اہلِ ریا پر غالب
یعنی ہیں ماندہ ز آنسو و ازیں سو راندہ

شکوہ و شکر کو ثمر بیم و امید کا سمجھ
خانۂ آگہی خراب، دل نہ سمجھ بلا سمجھ

وحشتِ دردِ بیکسی بے اثر اس قدر نہیں
رشتۂ عمرِ خضر کو نالۂ نارسا سمجھ

گاہ بہ خالِ امیدوار گہ بہ جحیمِ بیم ناک
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفتِ ماسوا سمجھ

اے بہ سرابِ حسنِ خلق تشنۂ سعیٔ امتحاں
شوق کو منفعل نہ کر ناز کو التجا سمجھ

شوخیٔ حسن و عشق ہے آئینہ دارِ ہمدگر
خار کو بے نیامِ جاں ہم کو برہنہ پا سمجھ

سودائے عشق سے دمِ سردِ کشیدہ ہوں — شامِ خیالِ زلف سے صبحِ دمیدہ ہوں
کی متصل ستارہ شماری میں عمر صرف — تسبیحِ اشکہائے ز مژگاں چکیدہ ہوں
ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج — میں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہوں
دیتا ہوں کشتگاں کو سخن سے سرِ تپش — مضرابِ تارہائے گلوئے بریدہ ہوں

چوں بوئے گل ہوں گرچہ گرانبارِ شستہ ہوں
لیکن اسدؔ بوقتِ گزشتن جہیدہ ہوں

خوں در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں — خود آشیانِ طائرِ رنگِ پریدہ ہوں
میں چشمِ واکشادہ و گلشن نظر فریب — لیکن عبث کہ شبنمِ خورشید دیدہ ہوں
تسلیم سے یہ نالۂ موزوں ہوا حصول — اے بے خبر میں نغمۂ چنگِ خمیدہ ہوں
پیدا نہیں ہے اصلِ تگ و تازِ جستجو — مانندِ موجِ آب زبانِ بریدہ ہوں
سر پر مرے وبالِ ہزار آرزو رہا — یارب میں کس غریب کا بختِ رمیدہ ہوں

میرا نیاز و عجز ہے مفتِ بتاں اسدؔ
یعنی کہ بندۂ بہ درم ناخریدہ ہوں

فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں — برنگِ جادہ سرِ کوئے یار رکھتے ہیں
طلسمِ مستیِ دل آنسوئے ہجومِ سرشک — ہم ایک میکدہ دریا کے پار رکھتے ہیں
ہوا ہے گریۂ بیباک ضبط سے تسبیح — ہزار دل پہ ہم اک اختیار رکھتے ہیں

جنونِ فرقتِ یارانِ رفتہ ہے غالبؔ
بسانِ دشت دلِ پرغبار رکھتے ہیں

کیا کروں غمہائے پنہاں لے گئے صبر و قرار　　دزد گر ہو خانگی تو پاسباں مجبور ہے
جس جگہ ہو مسند آرا جانشینِ مصطفیٰ　　اس جگہ تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

ہے وہاں تکلیفِ عرضِ بے دماغی اور اسدؔ
یاں صریرِ خامہ مجھ کو نالۂ رنجور ہے

یہ سرنوشت میں میری ہے اشک افشانی　　کہ موجِ آب ہے ہر ایک چینِ پیشانی
لبِ نگار میں آئینہ دیکھ آبِ حیات　　بہ گمرہی سکندر ہے محوِ حیرانی
کہوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں　　کہ سرو ہو نہ سکے اس کا مصرعِ ثانی

اسدؔ نے کثرتِ دلہائے خلق سے جانا
کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

ہُوا جب حُسن کم، خط بر عذارِ سادہ آتا ہے
کہ بعد از صافِ مے ساغر میں دُردِ بادہ آتا ہے
نہیں ہے مزرعِ اُلفت میں حاصل غیر پامالی
نظر دانہ سرشکِ برزمیں اُفتادہ آتا ہے
محیطِ دہر میں بالیدن از ہستی گزشتن ہے
کہ یاں ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے
دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری ساماں
متاعِ زندگانی ہا بہ غارت دادہ آتا ہے

ہے خطِ عجزِ ما و تو اوّل درسِ آرزو ہے یہ سیاقِ گفتگو کچھ نہ سمجھ فنا سمجھ
نغمہ ہے محوِ ساز رہ نشہ ہے بے نیاز رہ رندِ تمام ناز رہ خلق کو پارسا سمجھ
نے سر و برگِ آرزو نے رہ و رسمِ گفتگو اے دلِ جانِ خلق تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

لغزشِ پا کو ہے بلد نغمۂ یا علی مدد
ٹوٹے گر آئینہ اسدؔ سحر کو خوں بہا سمجھ

پھونکتا ہے نالہ ہر شب صورِ اسرافیل کی ہم کو جلدی ہے مگر تو نے قیامت ڈھیل کی
کی ہیں کس پانی سے یاں یعقوب نے آنکھیں سفید ہے جو آبی پیرہن یہ موجِ رودِ نیل کی
مدعا در پردہ - یعنی جو کہوں باطل سمجھ وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

کیا ہے ترکِ دنیا کاہلی سے ہمیں حاصل نہیں بے حاصلی سے
خراجِ دیہہ ویراں یک کفِ خاک بیاباں خوش ہوں تیری عاملی سے
پر افشاں ہو گئے شعلے ہزاروں رہے ہم داغ - اپنی کاہلی سے
خدا - یعنی پدر سے مہرباں تر پھرے ہم دربدر ناقابلی سے

اسدؔ قربانِ لطفِ جورِ بیدل
خبر لیتے ہیں لیکن بے دلی سے

بسکہ چشم از انتظارِ خوش خطاں بے نور ہے یک قلم شاخِ گلِ نرگس عصائے کور ہے
ہے عجب مردوں کو غفلت ہائے اہلِ دہر پر بند جوں انگشتِ حیرت در دہانِ گور ہے
حسرت آبادِ جہاں میں ہے الم غم آفریں نوحہ گویا خانہ زادِ نالۂ رنجور ہے

بسکہ تیرے جلوۂ دیدار کا ہے اشتیاق   ہر بُتِ خورشید طلعت آفتابِ بام ہے
کیا کمالِ عشق نقش آبادِ گیتی میں ملے   پختگی ہائے تصور یاں خیالِ خام ہے

ہو جہاں وہ ساقیٔ خورشید رُو مجلس فروز
واں اسدؔ تارِ شعاعِ مہر خطِّ جام ہے

اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے
تار و پودِ فرشِ محفل پنبۂ مینا کرے
یک درِ بر روئے رحمت بستہ دورِ شش جہت
ناامیدی ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے
ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی اسدؔ
ہوں سراپا یک قلم تسلیم جو مولا کرے

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
م   آسماں سے بادۂ گلفام گو برسا کرے

بہ رہنِ ضبط ہے آئینہ بندیٔ گوہر   وگرنہ بحر میں ہر قطرہ چشمِ پُرنم ہے
اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ   تمام دفترِ ربطِ مزاج برہم ہے

اسدؔ بہ نازکیٔ طبعِ آرزو انصاف
کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

تا چند نازِ مسجد و بُت خانہ کھینچیے   جُوں شمع دل بہ خلوتِ جانانہ کھینچیے

اسد وارستگاں باوصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں باولِ آزادہ آتا ہے

خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

نفس بہ نالہ رقیب و نگہ بہ اشک عدو
زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تو جانے

جنونِ فسردۂ تمکیں ہے کاش عہدِ وفا
گدازِ حوصلہ کو پاسِ آبرو جانے

نہ ہووے کیونکہ اسے فرضِ قتلِ اہلِ وفا
لہو میں ہاتھ کے بھرنے کو جو وضو جانے

زباں سے عرضِ تمنائے خامشی معلوم
مگر وہ خانہ برانداز گفتگو جانے

مسیحِ کشتۂ الفت بجز علی خاں ہے
کہ جو اسد تپشِ نبضِ آرزو جانے

کاوشِ دزدِ حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے
ناخنِ انگشتِ خوباں لعلِ واژوں ہے مجھے

ریشۂ شہرت دوانیدن ہے فتنِ زیرِ خاک
خنجرِ جلاد رگِ بیدِ مجنوں ہے مجھے

ساقیا دے ایک ہی ساغر میں سب کو مے کہ آج
آرزوئے بوسۂ لبہائے میگوں ہے مجھے

ہو گئی باہم دگر جوشِ پریشانی سے جمع
گردشِ جامِ تمنا دورِ گردوں ہے مجھے

دیکھ لے جوشِ جوانی کی ترقی تھی کہ اب
جادۂ ناسخ کا آتش رو رازوں ہے مجھے

عشق کی ہے بر نفس پیچیدن فکر اے اسد
در شکستن ہائے دل در ہے بغنوں ہے مجھے

صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے
غافلاں آغازِ کار آئینۂ انجام ہے

بیخودی فرمانروائے حیرت آبادِ جنوں
زخم دوزی جرم و پیراہن دریدن منع ہے

مژدۂ دیدار سے رُسوائیِ اظہار دُور
آج کی شب چشمِ کوکب تک پریدن منع ہے

بیمِ طبعِ نازکِ خوباں سے وقتِ سیرِ باغ
ریشۂ زیرِ زمیں کو بھی دویدن منع ہے

یار معذورِ تغافل ہے عزیزاں شفقتے!
نالۂ بلبل بگوشِ گُل شنیدن منع ہے

مانع بادہ کشی ناداں ہے لیکن اے اسدؔ
بے ولائے ساقیِ کوثر کشیدن منع ہے

خدایا دل کہاں تک دن بصد رنج و تعب کاٹے
خمِ گیسو ہو شمشیرِ سیہ تاب اور شب کاٹے

کریں گر قدرِ اشکِ دیدۂ عاشق خُود آرایاں
صدف دندانِ گوہر سے بہ حسرت اپنے لب کاٹے

دریغا وہ مریضِ غم کہ فرطِ ناتوانی سے
بہ قدرِ یک نفس جادہ بہ صد رنج و تعب کاٹے

یقیں ہے آدمی کو دستگاہِ فقر حاصل ہو
دمِ تیغِ توکّل سے اگر پائے سبب کاٹے

اسدؔ مجھ میں ہے اُسکے بوسۂ پا کی کہاں جرأت
کہ مَیں نے دست و پا باہم بہ شمشیرِ ادب کاٹے

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر　　دامن کو آج اُس کے حریفانہ کھینچیے
ہے ذوقِ گریہ، عزمِ سفر کیجیے اسدؔ
رختِ جنونِ سیل بہ ویرانہ کھینچیے

کاشانۂ ہستی کہ بر انداختنی ہے　　یاں سوختنی چارہ گرِ ساختنی ہے
ہے شعلۂ شمشیرِ فنا حوصلہ افگار　　اے داغِ تمنا! سپر انداختنی ہے
ہے سادگیِ ذہنِ تمنائے تماشا
جائے کہ اسدؔ رنگِ چمن باختنی ہے

گدائے طاقتِ تقریر ہے زباں تجھ سے　　کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے
فسردگی میں ہے فریادِ بے دلاں تجھ سے　　چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے
طراوتِ سحر ایجادیِ اثر یک سو　　بہارِ نالہ و رنگینیِ فغاں تجھ سے
چمن چمن گلِ آئینہ در کنارِ ہوس　　امید محوِ تماشائے گلستاں تجھ سے
نیاز پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے　　جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے آستاں تجھ سے
بہانہ جوئیِ رحمت کمیں گرِ تقریب　　وفائے حوصلہ و رنجِ امتحاں تجھ سے
اسدؔ! بہ موسمِ گل در طلسمِ کنجِ قفس
خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

حکمِ بیتابی نہیں اور آرمیدن منع ہے　　باوجودِ مشقِ وحشت ہا رسیدن منع ہے
شرمِ آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں ہے　　آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

جامِ ہر ذرّہ ہے سرشارِ تمنّا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم سے لگایا ہے مجھے

اے غنچۂ تمنّا یعنی کفِ نگاریں
دل دے تو ہم بتادیں مٹھی میں تیری کیا ہے
ہر نالۂ اسدؔ ہے مضمونِ دادخواہی
یعنی سخن کو کاغذ احرامِ مدعا ہے

ہزار قافلۂ آرزو بیاباں مرگ ہنوز محملِ حسرت بدوشِ خود رائی

جس طرف سے آئے ہیں آخر اُدھر ہی جائینگے
مرگ سے وحشت نہ کر راہِ عدم بیہودہ ہے

شورشِ باطن سے یاں تک مجھکو غفلت ہے کہ آہ شیونِ دل یک سرودِ خانۂ ہمسایہ ہے
اے اسدؔ آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری
خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

رنجشِ یارِ مہرباں عیش و طرب کا ہے نشاں
دل سے اُٹھے ہے جو غبار گردِ سوادِ باغ ہے
شعر کی فکر کو اسدؔ چاہیے ہے دل و دماغ
عذر کہ یہ فسردہ دل بے دل و بے دماغ ہے

رباعی

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل | ہوتے ہیں ملول اس کو سنکے جاہل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش | گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

جرأت

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے | رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

بہ یادِ قامت اگر ہو بلند آتشِ غم | بہ ایک داغِ جگر آفتابِ محشر ہو
ستم کشی کا کیا دل نے حوصلہ پیدا | اب اس سے بڑھ کے کوئی بت ستمگر ہو

جراحت تحفہ، الماس ارمغاں، داغِ جگر ہدیہ
مبارکباد اسدؔ، غمخوارِ جانِ دردمند آیا

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا، مگر، بہ تنگئ چشمِ حسود تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

پوچھا تھا گرچہ یار نے احوالِ دل، مگر
کس کو دماغِ منتِ گفت و شنود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں، ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا، اور بود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے؟ ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، درد لا دوا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

سادگی و پرکاری، بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

خاک بازئ امید، کارخانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

بادۂ نیم رس

غزلیات

نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا ۔۔۔ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
کاوکاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ ۔۔۔ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے ۔۔۔ سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے ۔۔۔ مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہوں غالبؔ اسیری میں بھی آتش زیر پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ میری زنجیر کا

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا ۔۔۔ تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا
بہ فیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے ۔۔۔ کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا
ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل ۔۔۔ کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

کس سے محرومئ قسمت کی شکایت کیجے　　ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہُوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالبؔ
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہُوا

جب بہ تقریبِ سفر یار نے محمل باندھا　　تپشِ شوق نے ہر ذرّے پہ اک دل باندھا

اہلِ بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخئ ناز　　جوہرِ آئینہ کو طوطئ بسمل باندھا

یاس و اُمید نے یک عربدہ میداں مانگا　　عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا

یاں نے تشنگئ شوق کے مضموں چاہے　　ہم نے دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا[1]

مُطربِ دل نے مرے تارِ نفس سے غالبؔ
ساز پر رشتہ پئے نغمۂ بیدلؔ باندھا

پئے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا　　بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعویٰ پارسائی کا

نہ ہو حُسنِ تماشا دوست رُسوا بیوفائی کا　　بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

زکوٰۃِ حُسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا　　چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم قاتل تیری گردن پر　　رہا مانند خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی　　عدم تک بیوفا چرچا ہے تیری بیوفائی کا

تمنائے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے　　مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے　　چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

[illegible]

[1] نہ بندھے تشنگئ ذوق کے مضموں غالبؔ　　گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ہم نے بارہا ڈھونڈا، تم نے بارہا پایا
دوستدار دشمن ہے، اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
ساغر جلوۂ سرشار ہے ہر ذرۂ خاک شوق دیدار بلا آئینہ ساماں نکلا
بوئے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل جو تری بزم سے نکلا۔ سو پریشاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگئ دل کی یارب! تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا
کچھ کھٹکتا تھا مرے سینے میں، لیکن آخر جس کو دل کہتے تھے سو تیر کا پیکاں نکلا
دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذت درد کام یاروں کا بقدر لب و دنداں نکلا
تھی نوآموز فنا ہمت دشوار پسند سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا یہ زمرد بھی حریف دم افعی نہ ہوا
میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
دل گزرگاہ خیال مے و ساغر ہی سہی گر نفس جادۂ سر منزل تقوی نہ ہوا
ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پر بھی راضی کہ کبھی گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگئ جا کا — گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب — مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو — مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے — مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

دل اسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی — دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں — کرے ہے ہر بُنِ مو کام چشمِ بینا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد اسدؔ
جفا میں اُس کی ہے انداز کارفرما کا

اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو — توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا
دیکھی وفائے فرصتِ رنج و نشاطِ دہر — خمیازہ یک درازیِ عمرِ خمار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال — ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا
ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب — خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا
گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں — جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگزار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ مختصر لکھ دے
م   کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

شب خمارِ شوقِ ساقی رستخیز اندازہ تھا   تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا
یک قلم وحشت سے درسِ دفترِ امکاں کھلا   جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا
مانعِ وحشت خرامی ہائے لیلیٰ کون ہے؟   خانۂ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا
پوچھ مت رسوائیِ اندازِ استغنائے حسن   دست مرہونِ حنا رخسار رہنِ غازہ تھا

نالۂ دل نے دیئے اوراقِ لختِ دل بہ باد
یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا   رازِ مکتوب بہ بے ربطیِ عنواں سمجھا
یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز   چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا
شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ   اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
ہم نے وحشت کدۂ بزمِ جہاں میں جوں شمع   شعلۂ عشق کو اپنا سر و ساماں سمجھا
تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ   دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا   نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا
سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی   ہر قدم سایہ کو میں اپنا شبستاں سمجھا
بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام   رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا
دیا جاں کے کیوں اسکو وفادار اسدؔ   غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریِ ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا
لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا
اسد ساغر کشِ تسلیم ہو گردش سے گردوں کی
کہ ننگِ فہمِ مستاں ہے گلہ بدروزگاری کا

غافل بوہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں — بے شانۂ صبا نہیں طرّہ گیاہ کا
بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ — صید ز دام جستہ ہے اس دامگاہ کا
جاں درہوائے یک نگہِ گرم ہے اسد — پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے — شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پُرگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

خود پرستی سے رہے باہم دگر نا آشنا — بیکسی میری شریک آئینہ تیرا آشنا
ربطِ یک شیرازۂ وحشت ہیں اجزائے بہار — سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل نا آشنا
ذرّہ ذرّہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے — گردشِ مجنوں بہ چشمکہائے لیلیٰ آشنا
کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسد — سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ اُلفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تُو دریائے مے ہے تو مَیں خمیازہ ہُوں ساحل کا
مجھے راہِ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالبؔ
عصائے خضرِ صحرائے سخن ہے خامہ بیدل کا

لبِ خشک در تشنگی مُردگاں کا　　زیارت کدہ ہُوں دلِ آزردگاں کا
سراپا یک آئینہ دارِ شکستن　　ارادہ ہُوں یک عالم افسردگاں کا
ہمہ نا اُمیدی ہمہ بدگمانی　　مَیں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا
بصورتِ تکلّف، بمعنی تاسف
اسدؔ میں تبسم ہُوں پژمُردگاں کا

ضعفِ جنوں کو وقتِ تپش در بھی دُور تھا　　اک گھر میں مختصر سا بیاباں ضرور تھا
اے وائے غفلتِ نگہِ شوق ورنہ یاں　　ہر پارہ سنگ لختِ دلِ کوہِ طُور تھا
درسِ تپش ہے برق کو اب اسکے نام سے　　وہ دِل ہے یہ کہ جس کا تخلّص صبُور تھا
آئینہ دیکھ اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے　　صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریئے　　اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصُور تھا
ہر رنگ میں جلا اسدؔ فتنہ انتظار
پروانۂ تجلّیِ شمعِ ظہُور تھا

جلوہ از بس کہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرتِ قتل گہِ اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے شباب
تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستاں ہونا

عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائیگا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

گر نگاہِ گرم فرماتی رہی تعلیمِ ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

دل کو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر
ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائیگا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرّہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

مَیں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

یک ذرّۂ زمیں نہیں بے کار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی
کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطِ ایاغ کا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکرِ سخن مجھے
تریاکیِ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

بے خونِ دل ہے چشم میں موجِ نگہ غبار
یہ میکدہ خراب ہے مے کے سُراغ کا

باغِ شگفتہ تیرا بساطِ نشاطِ دل
ابرِ بہار خُمکدہ کِس کے دماغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا[1]

سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے
پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بسکہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگیٔ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

---

[1] یہ شعر غالب کے پہلے مطبوعہ دیوان میں نہیں۔ اور غالبؔ ۱۸۴۱ء کے بعد لکھا گیا ؛

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مری تحصیل

آتش کدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوتِ ناموس تھا　　رشتۂ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا

حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو　　دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا

کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیاں　　جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیموس تھا

مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے حنا

م　کس قدر یارب ہلاکِ حسرتِ پابوس تھا

گلشن میں بند و بست برنگِ دگر ہے آج　م　قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ　　تارِ نفس کمندِ شکارِ اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل!　　سیلابِ گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

دُور اوفتادۂ چمنِ فکر ہے اسدؔ

مُرغِ خیالِ بلبلِ بے بال و پر ہے آج

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ　　اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ

کمالِ گرمیٔ سعیِ تلاشِ دید نہ پوچھ　　برنگِ خار مرے آئینے سے جوہر کھینچ

نہ کہہ کہ طاقتِ رسوائیٔ وصال نہیں　　اگر یہی عرقِ فتنہ ہے مکرر کھینچ

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل!　　کیا ہے کس نے اشارہ کہ نازِ بستر کھینچ

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا — دل جگر تشنۂ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز — پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل! — نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا یعنی — پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے — دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں — دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ — سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی — کیوں ترا راہ گذر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی — گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
پھر ترے کوچے کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا — اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے — خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم — میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہوں — یعنی سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی — سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر
فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اُس زمانے سے — کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر
فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے — بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر
نہیں اقلیمِ اُلفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا — کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ ہووے مُہر عنواں پر
مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود یاد آیا — کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا — قیامت اِک ہوائے تُند ہے خاکِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالبؔ کیا ہوا گر اُس نے شدّت کی
م — ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

بہ رنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دِل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر
ہیں اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاعِ مہر سے تہمت نگہ کی چشمِ روزن پر
اسدؔ بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

بہ نیم غمزہ ادا کر حقِ ودیعتِ ناز — نیامِ پردۂ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
مرے قدح میں ہے صہبائے آتشِ پنہاں — بروئے سفرہ کبابِ دلِ سمندر کھینچ
تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس — بکوریِ دل و چشمِ رقیب ساغر کھینچ

خمارِ منتِ ساقی اگر یہی ہے اسدؔ
دلِ گداختہ کے میکدے میں ساغر کھینچ

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار — نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ — کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار
نہیں ہے سایہ کہ سن کر نویدِ مقدمِ یار — گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار
ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مےِ جلوہ — کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار
جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ — کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار
ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے — کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
وہ آ رہا مرے ہمسائے میں تو سائے سے — ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
نہ پوچھ بے خودیِ عیشِ مقدمِ سیلاب — کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی — ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہیں زمانے میں
حریفِ رازِ محبت مگر در و دیوار

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پہ — میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پہ

ہُوں گرفتارِ الفتِ صیّاد | ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے | ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں | جس سے مژگاں ہُوئی نہ ہو گلباز
اے ترا جلوہ یک قلم انگیز | اے ترا ظلم سر بسر انداز
تو ہُوا جلوہ گر مُبارک ہو | ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز
مجھ کو پُوچھا تو کچھ غضب نہ ہُوا | مَیں غریب اور تُو غریب نواز

اسداللہ خاں تمام ہُوا

م

اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیٔ شمع | ہُوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیٔ شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی | یہ بات بزم میں روشن ہُوئی زبانیٔ شمع
کرے ہے صرف بہ ایمائے شعلہ قصّہ تمام | بہ طرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیٔ شمع
غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ | ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیٔ شمع
ترے خیال سے رُوح اہتزاز کرتی ہے | بہ جلوہ ریزیٔ باد و بہ پرفشانیٔ شمع
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پُوچھ | شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیٔ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیٔ شمع

ہم بھی لکھتے ہیں تو بجنسہٖ غالب [illegible] یہ مجھ سے آتی کدورت ہزار حیف

فلک سے ہمکو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاعِ بُردہ کو سمجھے ہُوئے ہیں قرض رہزن پر
فنا کو سونپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوف گلخن پر

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
دُعا قبول ہو یا رب کہ عُمرِ خضر دراز

نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہمِ وجُود
ہنوز تیرے تصوّر میں ہے نشیبِ فراز

وصالِ جلوہ تماشا ہے پھر دماغ کہاں
کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرواز

اسدؔ سے ترکِ وفا کا گماں وہ معنی ہے
کہ کھینچیے پرِ طائر سے صُورتِ پرواز

زبسکہ جلوۂ صیاد حیرت آرا ہے
اُڑی ہے صفحۂ خاطر سے صُورتِ پرواز

ہجومِ فکر سے دِل مثلِ موج لرزے ہے
کہ شیشہ نازک و صہبائے آبگینہ گداز

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہُوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

نہ پُوچھ وسعتِ مے خانۂ جنوں غالبؔ
جہاں یہ کاسۂ گردُوں ہے ایک خاک انداز

نہ گُل نغمہ ہُوں نہ پردۂ ساز
میں ہُوں اپنی شکست کی آواز

تُو اور آرائشِ خمِ کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دُور دراز

لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی
ہم ہیں اور رازہائے سینہ گداز

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن   خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم   میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل   گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

بسکہ وہ چشم و چراغِ محفلِ اغیار ہے
چپکے چپکے جلتے ہیں جوں شمعِ ماتم خانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیِ نیرنگِ یک بت خانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ
جانتے ہیں سینۂ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

ہم رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش — مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

بیش از نفسِ بتاں کے کرم نے وفا نہ کی — تھا محملِ نگاہ بہ دوشِ شرار حیف

تھی میرے ہی جلانے کو اے آہِ شعلہ ریز — گھر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار حیف

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے

م

اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک — کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل — ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج — گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک

مجھ کو ارزانی رہے، تجھ کو مبارک ہو جیو — نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ — یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے — دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیرِ درد م زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سر تا پا نمک

یاد ہیں غالبؔ تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں

م

زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک — کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ — دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب — دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موجِ محیطِ آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشکِ فارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن — ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن
قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں — رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
گردِ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو — اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے — بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں — خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے — سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے — کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یُوں
بوسے کو پُوچھتا ہُوں مَیں مُنہ سے مجھے بتا کہ یُوں

پُرسشِ طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اِک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یُوں

رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خُدا کرے پر نہ کرے خُدا کہ یُوں

بزم میں اُس کے رُوبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے
اُس کی تو خامشی میں بھی ہے یہی مُدعا کہ یُوں

مَیں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی"
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ "یُوں"

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا، تو دیکھئے
سامنے آن بیٹھنا - اور یہ دیکھنا کہ یُوں

مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یُوں

کب مجھے کُوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ دار بن گئی - حیرتِ نقش پا کہ یُوں

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو — کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو
بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی — بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آ جاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

جز دل سراغِ درد بدل خفتگاں نہ پوچھ — آئینہ عرض کر خط و خالِ بیاں نہ پوچھ
ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا — سامانِ بادشاہیِ وصلِ بتاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دلِ داغ انتظار ہے — عرضِ فضائے سینۂ درد امتحاں نہ پوچھ
ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غم کدہ — جس کی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے — دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ

کہتا تھا کل وہ نامہ رساں سے بسوزِ دل
دردِ جدائی! اسد اللہ خاں نہ پوچھ

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے — طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
ہستی فریب نامۂ موجِ سراب ہے — یک عمر نازِ شوخیِ عنواں اٹھائیے
ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق — یعنی ہنوز منتِ طفلاں اٹھائیے
ضبطِ جنوں سے ہر سرِ مو ہے ترانہ خیز — یک نالہ کھینچیے تو نیستاں اٹھائیے
دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم — اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے
یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے — یا پردۂ تبسمِ پنہاں اٹھائیے

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں — ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں — جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں
حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے — جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو — خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے — لذتِ سنگ باندازۂ تقریر نہیں
جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے — کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
م "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں"

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں — ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں
تیری فرصت کے مقابل اے عمر! — برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
قیدِ ہستی سے رہائی معلوم — اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے — ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل — مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں
غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ — لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
اہلِ تدبیر کی واماندگیاں — آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پرکار ہیں خوباں غالب
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پہ مرنا
ترا آنا نہ تھا ظالم، مگر تمہید جانے کی
کہوں کیا خوبیِ اوضاعِ ابنائے زماں غالبؔ
بدی کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

بساطِ عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے بہ اندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی
رہے اس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف۔ تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گردوں سے کیا کیجے
لئے بیٹھا ہے اک دو چار جامِ واژگوں وہ بھی
مجھے معلوم ہے جو تُو نے میرے حق میں سوچا ہے
کہیں ہو جائے جلد اے گردشِ گردونِ دُوں وہ بھی
نہ اتنا بُرّشِ تیغِ جفا پہ ناز فرماؤ
مرے دریائے بیتابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی
خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی
نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعثِ افزائشِ دردِ دروں وہ بھی

انگور سعیِ بے سر و پائی سے سبز ہے
غالب بدوشِ دل خمِ مستاں اٹھائیے

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزردہ لبوں سے   تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
ہے دورِ قدح وجہِ پریشانیِ صہبا   یک بار لگا دو خمِ مے میرے لبوں سے
رندانِ درِ میکدہ گستاخ ہیں زاہد   زنہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے

بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے

غمِ دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

کھلے گا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یارب!
قسم کھائی ہے اس کافر نے کاغذ کے جلانے کی

لکدکوبِ حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی
مری طاقت کہ ضامن تھی بتوں کے ناز اٹھانے کی

لپٹنا پرنیاں میں شعلۂ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی اے فلک زدہ کیوں بے حواس ہے

ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف اسدؔ
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ
دل فردِ جمع و خرچ زباں ہائے لال ہے

کس پردے میں ہے آئینہ پرداز اے خدا!
رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی!
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

نظر بہ نقصِ گدایاں کمالِ بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعوئے چمن نسبی ہے

ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیادہ
لبِ قدح پہ کفِ بادہ جوشِ تشنہ لبی ہے

نظر راحت پہ میری۔ کر نہ وعدہ شب کے آنے کا
کہ میری خواب بندی کے لیے ہوگا فسوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

کی اُس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرمانروائے کشورِ ہندوستان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلیٔ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
غالبؔ ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

یک بار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے
ڈھونڈے ہے اُس مغنیِ آتش نفس کو جی جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے

مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مُدعا مجھے

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی
نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیِ آزادی
ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہِ طفلاں ہے
شرارِ سنگ نے تربت پہ میری گل فشانی کی

نکوہش ہے سزا فریادیِ بیدادِ دلبر کی مبادا خندۂ دنداں نما ہو صبحِ محشر کی
رگِ لیلیٰ کو خاکِ دشتِ مجنوں ریشگی بخشے اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی
پرِ پروانہ شاید بادبانِ کشتیِ مے تھا ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دورِ ساغر کی
غرورِ لطفِ ساقی نشۂ بیباکیِ مستاں نمِ دامانِ عصیاں ہے طراوت موجِ کوثر کی
کروں بیدادِ ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی
کہاں تک روؤں اُس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

اسدؔ جز آبِ بخشیدن ز دریا خضر کو کیا تھا
ڈبوتا چشمۂ حیواں میں گر کشتی سکندر کی

خوشا وہ دل کہ سراپا طلسمِ بے خبری ہو   جنون و یاس و الم رزقِ مدعا طلبی ہے
تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھود کھود کے پوچھو   حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

اسدؔ بہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر
نہ گریۂ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

رفتارِ عمر قطعِ رہِ اضطراب ہے   اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
مینائے مے ہے سروِ نشاطِ بہار سے   بالِ تدرو جلوۂ موجِ شراب ہے
نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حسن کا   جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں   مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے
گزرا اسدؔ مسرتِ پیغامِ یار سے   قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال و جواب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا   نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے

جاداد بادہ نوشیِ رنداں ہے شش جہت
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے   صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے
کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں   آنے لگی ہے نکہتِ گل سے حیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ   شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو   یا رب ملے بلندیِ دستِ دعا مجھے

تو وہ بد خو کہ تحیّر کو تماشا جانے
غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

نقشِ نازِ بتِ طنّاز بہ آغوشِ رقیب
پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

وہ تپِ عشق تمنّا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

پا بہ دامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خارِ پا ہیں جوہرِ آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ ہر مو مجھے

ہوں سراپا سازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

کثرتِ جور و ستم سے ہو گیا ہوں بے دماغ
خوبرویوں نے بنایا غالبؔ بدخو مجھے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلّی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خارِ المِ حسرتِ دیدار تو ہے
شوق گلچینِ گلستانِ تسلّی نہ سہی

مے پرستاں خمِ مے منہ سے لگائے ہی بنے
ایک دن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغِ صحرا
گر نہیں شمعِ سیہ خانۂ لیلیٰ نہ سہی

ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنّا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالبؔ اگر عمرِ طبیعی نہ سہی

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے ۔۔۔ طاقتِ بیدادِ انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے ۔۔۔ نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو ۔۔۔ ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے گمانِ رنجشِ خاطر ۔۔۔ خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطفِ جلوہ ہائے معانی ۔۔۔ غیرِ گل آئینۂ بہار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے ۔۔۔ وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے
کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

بہ سیلِ اشک لختِ دل ہے دامن گیر مژگاں کا
غریقِ بحر جویائے خس و خاشاکِ ساحل ہے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخمِ سوزن کی
(۴) سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ دل کا صدائے خندۂ دل ہے

غمِ آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغِ روشن اپنا قلزمِ صرصر کا مرجاں ہے

عاشق نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیے — فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیے
ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں — معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے
پیدا کریں دماغِ تماشائے سرو و گل — حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیے
دیوانگاں ہیں حاملِ رازِ نہانِ عشق — اے بے تمیز گنج کو ویرانہ چاہیے
اُس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں — شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے
ساقی! بہارِ موسمِ گل ہے سرور بخش — پیماں سے ہم گذر گئے پیمانہ چاہیے

جادہ سے طرزِ گفتگوئے یار اے اسدؔ
یاں جز فسوں نہیں اگر افسانہ چاہیے

چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عریانی کرے — صبح کی مانند زخمِ دل گریبانی کرے
میکدہ گر چشمِ مستِ یار سے پائے شکست — موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے
خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت کا عہد — یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال — دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے
ہے شکستن سے بھی دل نومید یارب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچہ کا گل ہونا آغوش کشائی ہے
واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے
از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے
وہ دیکھ کے حسن اپنا مغرور ہوا غالب
صد جلوۂ آئینہ یک صبحِ جدائی ہے

سیماب پشت گرمیِ آئینہ دے ہے ہم — حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بے قرار کے
آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے
ہم مشقِ فکرِ وصل و غمِ ہجر سے اسد
لائق نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرضِ یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے
تکلف برطرف ہے جانستاں تر لطفِ بدخویاں
نگاہِ بے حجابِ ناز تیغِ تیزِ عریاں ہے
ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلف کیفیتِ شادی
کہ صبحِ عید مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاعِ دستگرداں ہے

بہ طوفاں گاہِ جوشِ اضطرابِ شامِ تنہائی
شعاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اُس کی زلفِ مشکیں کی
ہماری دید کو خوابِ زلیخا عارِ بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یار میں غالب
م　کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بستر خارِ بستر ہے

کرے[لہ] ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ　خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
بجا[لہ] ہے گر نہ سُنے نالہ ہائے بُلبُلِ زار　کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے
کبھی تو اِس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے　م　کہ ایک عُمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

اسد ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا
م　مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامۂ یارب مجھے　سبحۂ زاہد ہُوا ہے خندہ زیرِ لب مجھے
ہے کشادِ خاطرِ وابستہ دَر رہنِ سخن　تھا طلسمِ قفلِ ابجد خانۂ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہیے　رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے

لہ یہ دو اشعار جو غالب کے عام نسخوں میں ملتے ہیں، نسخۂ حمیدیہ کے صفحات ۲۲۴ اور ۲۲۱ پر بطور غیر مطبوعہ اشعار کے شائع ہوئے ہیں باقی دو اشعار نسخۂ حمیدیہ میں موجود نہیں اور غالباً ان کی تصنیف کے بعد لکھے گئے۔

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں
کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر
ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں
صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

بےخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو
پُر ہے سائے کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
جوں گلِ شمع ہو نظارہ پریشاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

اے اسدؔ دسترسِ وصلِ تمنا معلوم
کاش ہو قدرتِ برچیدنِ داماں مجھ سے

نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

م

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو
فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

سرشکِ سر بہ صحرا دادہ نور العینِ دامن ہے
دلِ بے دست و پا افتادہ برخوردارِ بستر ہے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بےتابی حرام
ورنہ دنداں در دل افشردن بنائے خندہ ہے

نقشِ عبرت در نظر یا نقدِ عشرت در بساط
دو جہاں وسعت بقدرِ یک فضائے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
م
دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سربسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشائے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

تمثالِ جلوہ عرض کر اے حسن کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

بیکاریِ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیِ صحرا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عرضِ سرشک پر ہے فضائے زمانہ تنگ
صحرا کہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی

شومیِ طالع سے ہوں ذوقِ معاصی میں اسیر　　نامۂ اعمال ہے تاریکیِ کوکب مجھے
طبع ہے مشتاقِ لذت ہائے حسرت کیا کروں　　آرزو سے ہے شکستِ آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالبؔ مجھی سے ہو گئے
عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے　　کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے
بہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ　　نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے
وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد　　جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی　　تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

اسدؔ بہارِ تماشائے گلستانِ حیات
وصالِ لالہ عذارانِ سرو قامت ہے

شوخیِ مضرابِ جولاں آب یارِ نغمہ ہے　　برگ ریزِ ناخنِ مطرب بہارِ نغمہ ہے
سازِ عیشِ بیدلی ہے خانہ ویرانی مجھے　　سیل یاں کوکِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے
نشہ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب　　شیشۂ مے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

خود فروشیہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے　　تا شکستِ قیمتِ دلہا صدائے خندہ ہے
عرضِ نازِ شوخیِ دنداں برائے خندہ ہے　　دعوئے جمعیتِ احباب جائے خندہ ہے

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغِ ساماں ہے　　برقِ خرمنِ راحت خونِ گرمِ دہقاں ہے
غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم　　باوجودِ دلجمعی خوابِ گل پریشاں ہے

ہم سے رنجِ بیتابی کس طرح اُٹھایا جائے
داغِ پشتِ دستِ عجز شعلہ خس بدنداں ہے

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے
نقشِ پا جو کان میں رکھتا ہے انگلی جادہ سے

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا
شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادہ سے

خیمۂ لیلیٰ سیاہ و خانۂ مجنوں خراب
جوششِ ویرانی ہے عشقِ داغ بیروں دادہ سے

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسد
دیکھتے ہیں چشمِ از خوابِ عدم نکشادہ سے

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے　　نافہ دماغِ آہوئے دشتِ تتار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق　　گر دام یہ ہے وسعتِ صحرا شکار ہے
کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا　　آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینۂ برگِ گل پہ آب　　اے عندلیب وقتِ وداعِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی　　اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست م نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

حُسنِ فروغِ شمعِ سخن دُور ہے اسدؔ

پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

باغ تجھ بن گُلِ نرگس سے ڈراتا ہے مجھے — چاہوں گر سیرِ چمن آنکھ دکھاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک — آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

میں ہوں اور حیرتِ جاوید مگر ذوقِ خیال — بہ فسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بہ سرچشمۂ دیگر معلوم — ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے — آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے م سایۂ شاخِ گُل افعی نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اُٹھا دیتے تھے

م دیکھوں اب مر گئے پر کون اُٹھاتا ہے مجھے

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے — بے تکلف اے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے

یاد رکھیے ناز ہائے التفاتِ اولیں — آشیانِ طائرِ رنگِ رسا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس — از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

لطفِ عشقِ ہر یک اندازِ دگر دکھلائیگا — بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے

داد از دستِ جفائے صدمۂ ضربُ المثل

گر ہمہ اُفتادگی جوں نقشِ پا ہو جائیے

یارب ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو — یہ محشرِ خیال کہ دنیا کہیں جسے
سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے — وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے
ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں — شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے — داغِ دلِ بے درد نظر گاہِ حیا ہے
دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار — آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے
تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق — آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے
قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ — اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے
مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت — دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے
اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی — سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ — تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے
بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب — کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی — جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے
خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو — معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر　　ہر ذرے کے نقاب میں دل بے قرار ہے

اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں　　طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ　　نظارے کا مقدمہ پھر روبکار ہے

بج آبہری سہے دیدۂ دلدار کی تجھے　　دم وداع سے یا نہ آسکے یہ بیانِ نظار ہے

غفلت کفیلِ عمر و اسدؔ ضامنِ نشاط

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

جو شیشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے　　نگاہِ دل سے تری سرمہ سا نکلتی ہے

بہ رنگِ شیشہ ہوں یک گوشۂ دلِ خالی　　کبھی پری مری خلوت میں آ نکلتی ہے

فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم　　صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ

کہ زخمِ روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے　　ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ہے انتظار سے شرر آبادِ رستخیز　　مژگانِ کوہکن رگِ خارا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں　　گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

کس فرصتِ وصال پہ ہے گل کو عندلیب　　زخمِ فراق خندۂ بے جا کہیں جسے

درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو　　صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا　　افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

میرے بعد

حسنِ غمزے کی کشاکش سے چُھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہلِ جنوں کے لیے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جُدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

تھی نگہ میری نہاں خانۂ دل کی نقاب
بے خطر جیتے ہیں اربابِ ریا میرے بعد

تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
متفرق ہوئے میرے رفقا میرے بعد

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

مستی بہ ذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے — موجِ شراب یک مژۂ خوابناک ہے
جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو — جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسدؔ
صحرا ہماری آنکھ میں اک مشتِ خاک ہے

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی — تو فسردگی نہاں ہے بہ کمینِ بے زبانی
بفرازگاہِ عبرت چہ بہار و کو تماشا — کہ نگاہ ہے سیہ پوش بعزائے زندگانی
بہ فراقِ رفتہ یاراں خط و حرف مو پریشاں — دلِ غافل از حقیقت ہمہ ذوقِ قصہ خوانی
نہ وفا کو آبرو ہے نہ جفا تمیز جو ہے — چہ حسابِ جانفشانی چہ غرورِ دلستانی
شرر و شورِ آرزو سے تب و تابِ عجز بہتر — نہ کرے اگر ہوس پہ غمِ بے دلی گرانی
مجھے انتعاشِ غم نے پئے عرضِ حال بخشی — ہوسِ غزل سرائی تپشِ فسانہ خوانی
مجھے اس سے کیا توقع بہ زمانۂ جوانی مطلع — کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی
دلِ نا امید کیونکر بہ تسلی آشنا ہو — جو امیدوار رہیے نہ بمرگِ ناگہانی
مجھے بادۂ طرب سے بہ خمارگاہِ قسمت — جو ملی تو تلخ کامی جو ہوئی تو سرگرانی
نہ ستم کر اب تو مجھ پر کہ وہ دن گئے کہاں تھی — مجھے طاقت آزمائی تجھے الفت آزمائی
یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا — کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

یہی بار بار جی میں مرے آئے ہے کہ غالب
کروں خوانِ گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی

ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ہائے ہائے

خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

کس طرح کاٹے کوئی شب ہائے تارِ برشکال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری ہائے ہائے

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

گر مصیبت تھی تو غربت میں اٹھا لیتا اسدؔ
میری دلّی ہی میں ہونی تھی یہ خواری ہائے ہائے

عشق نے پکڑا نہ تھا غالبؔ ابھی وحشت کا رنگ
رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہائے ہائے

قطعہ

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوّالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام
گریے سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

نوحہ

درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تُو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے
کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال؟
دُشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہائے ہائے
عُمر بھر کا تُو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عُمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے
شرمِ رُسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
ختم ہے اُلفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے
گلفشانی ہائے نازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
خاک پر ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے
زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

قصیدہ در منقبت

ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار
سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار

مستئ بادِ صبا سے ہے بہ عرضِ سبزہ
ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

حسرتِ جلوۂ ساقی ہے کہ ہر پارۂ ابر
سینہ بیتابی سے ملتا ہے بہ تیغِ کہسار

مستئ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل
راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم
سرنوشتِ دو جہاں ابر بہ یک سطرِ غبار

کفِ ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز
دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

میکدے میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
بھول جا یک قدحِ بادہ بطاقِ گلزار

موجِ گل ڈھونڈ بہ خلوتکدۂ غنچۂ باغ
گم کرے گوشۂ میخانہ میں گر تو دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر
سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ
طوطئ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کے پئے تعمیرِ سرا
چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار

فلک العرش ہجومِ خمِ دوشِ مزدور
رشتۂ فیضِ ازل سازِ طنابِ معمار

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال — یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا
جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آب جو — م — یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا
یاں سرِ پرشور بے خوابی سے تھا دیوار جو — م — واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا
یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی — م — جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا
فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا — م — یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا
یہ زمیں سے آسماں تک فرش تھیں بیتابیاں — شوخیٔ بارش سے مہ فوارۂ سیلاب تھا
واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسدؔ — ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا
ناگہاں اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا — م — دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا
شب کہ ذوقِ گفتگو سے تیری دل بیتاب تھا — شوخیٔ وحشت سے افسانہ فسونِ خواب تھا
نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا — تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا
مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے — م — خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا
نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں — م — پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں — م — ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے — م — کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا — م — انتظارِ صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا

میں نے روکا رات غالبؔ کو وگرنہ دیکھتے
م اس کے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

قصیدہ فی المنقبت

توڑے ہے عجزِ تنک حوصلہ بر روئے زمیں سجدۂ تمثال وہ آئینہ کہیں جس کو جبیں
دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں م ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں
توڑے ہے نالہ سرِ رشتۂ پاسِ انفاس سر کرے ہے دلِ حیرت زدہ شغلِ تسکیں
بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں
یاس تمثالِ بہار آئینۂ استغنا وہم آئینۂ پیدائیِ تمثالِ یقیں
مثلِ مضمونِ وفا باد بدستِ تسلیم صورتِ نقشِ قدم خاک بفرقِ تمکیں
لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں
نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں
عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں
کوہکن گرسنہ مزدورِ طربگاہِ رقیب بے ستوں آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں
موجِ خمیازۂ یک نشّہ چہ اسلام و چہ کفر کجیِ یک خطِ مسطر چہ توہّم چہ یقیں
قبلہ و ابروئے بت یک رہِ خوابیدۂ شوق کعبہ و بتکدہ یک محملِ خوابِ سنگیں
کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز کس نے پایا اثرِ نالۂ دلہائے حزیں

سبزۂ نہ چمن و یک خطِ پشتِ لبِ بام — رفعتِ ہمتِ صد عارف و یک اوجِ حصار
واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار
ذرہ اُس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اُس دشت کی اُمید کو احرامِ بہار
خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار
آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیِ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار
فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار
شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوے کے تیرے بہ ہوائے دیدار
تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلکِ اختر میں مہِ نو مژۂ گوہر بار
مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعتِ نبیؐ — جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار
ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار
تہمتِ بے خودیِ کفر نہ کھینچے یارب — کمیِ ربطِ نیاز و خطِ نازِ بسیار
ہے اسیرِ ستم کشمکشِ دامِ وفا — دلِ وارستۂ ہفتاد و دو ملت بیزار
جوہرِ دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر — یک طرف نازشِ مژگاں و دگر سو غمِ خار
مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ — خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار
دشمنِ آلِ نبیؐ کو بطرب خانۂ دہر — عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسدؔ آئینۂ یک پرتوِ شوق
فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ ممدوحِ خدا　　کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں
جنسِ بازارِ معاصی اسداللہ اسد　　کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخِ طلب　　ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بس کہ یقیں
دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول　　کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں
غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز　　کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
طبع کو الفتِ دلدل میں یہ سرگرمیِ شوق　　کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں
دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا　　نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں
صرفِ اعدا اثرِ شعلۂ دودِ دوزخ　　وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

متفرقات

اسد ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سر و پا ہیں　　کہ ہے سر پنجۂ مژگانِ آہو پشتِ خار اپنا

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا　　حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا
محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے　　کہ موجِ بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

سامعِ زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں لیکن
نہ سر و برگِ ستائش نہ دماغِ نفریں

نہ تمنا، نہ تماشا، نہ تحیر، نہ نگاہ
گردِ جوہر میں ہے آئینۂ دل پردہ نشیں

شورِ اوہام سے مت ہو تعبِ خونِ انصاف
گفتگو بے مزہ و زخمِ تمنا نمکیں

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارجِ آدابِ وقار و تمکیں

نقشِ لاحول لکھ اے خامۂ ہذیاں تحریر
"یا علیؑ" عرض کر اے فطرتِ وسواس قریں

کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب
شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں

ہو وہ سرمایۂ ایجاد جہاں گرمِ خرام
ہر کفِ خاک ہے واں گردۂ تصویرِ زمیں

مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رسل
قبلۂ آلِ نبی، کعبۂ ایجادِ یقیں

نسبتِ نام سے اسکی ہے یہ رتبہ کہ رہے
ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں

جلوہ پرواز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا
وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں

فیضِ خلق اسکا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں

برِشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بتخانۂ چیں

جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا شاہا
وصیِ ختمِ رسل تو ہے بفتوائے یقیں

جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبرؐ منبر
نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں

تیری مدحت کیلئے ہیں دل و جاں کام و زباں
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں

آستاں پر ترے ہے جوہرِ آئینۂ سنگ
رقمِ بندگیٔ حضرتِ جبریلِ امیں

تیرے در کے لئے اسبابِ نثار آمادہ
خاکیوں کو جو خدا نے دیئے جان و دل و دیں

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع　　چرخ وا کرتا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ　　یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد　　مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

بقدرِ حوصلۂ عشق جلوہ ریزی ہے　　وگرنہ خانۂ آئینہ کی فضا معلوم
بہ نالہ حاصلِ دلبستگی فراہم کر　　متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم
اسد فریفتۂ انتخابِ طرزِ جفا　　وگرنہ دلبریِ وعدۂ وفا معلوم

دیدۂ حسرتِ ہم آئینۂ تمکینِ تمنا　　واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں
مستِ صد رنگِ دیدہ ہاں سمجھو نگاہیں ہم　　ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا　　تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
دلِ نازک پہ اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب　　نہ کر سرگرم اس کافر کو الفت آزمانے میں

برشگالِ دیدۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے　　کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن
الفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی　　سرو ہے باوصفِ آزادی گرفتارِ چمن

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا   خطِ جامِ مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا
اعتبارِ عشق کی خانہ خرابی دیکھنا   غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

سرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے   کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا
رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم   تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

ستمکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں   تکلف برطرف مل جائے گا تجھ سا رقیب آخر

صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر   تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی   ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ سرتاسرِ خاک   گزرے ہے آبلہ پا ابرِ گہربار ہنوز
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحۂ دشت   نقشِ پا میں ہے تبِ گرمیِ رفتار ہنوز

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے   لگا دے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش
فروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق   نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مے خانہ خالی ہے

خطر ہے رشتۂ الفت رگِ گردن نہ ہو جائے غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
سمجھ اس فصل میں کوتاہیِ نشو و نما غالبؔ اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جائے

حسن بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن چشمِ وا گر دیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

غم و عشرت قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے دعائے مدعا گم کردگاں شغلِ "آمیں" ہے
لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی قیامت کشتۂ لعلِ بتاں کا خوابِ سنگیں ہے

رباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال ایامِ جوانی رہے ساغر کش حال
آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم اے عمرِ گذشتہ ایک قدم استقبال

معافِ بیہدہ گوئی ہیں ناصحانِ عزیز　　دلے بدستِ نگارے نہ دادہ رکھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسدؔ

وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا　م　بارے اپنے دردِ دل کی ہم نے پائی داد یاں

ہے مری وحشت عدوئے اعتبارِ جہاں　}　مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ　　طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی　　دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے　م　میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے　　نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں　م　ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

تغافل دوست ہوں میرا دماغِ عجز عالی ہے　　اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

اِلتجا

یا علیؓ دانی کہ رُویم سوئے تست از سر نورد ہم ۔ بہ حیرت آغازم مخاطب دانمت در ہر خطاب
موئے آتش دیدہ را مانم کہ بہرِ خویشتن ہم ۔ حلقۂ دامِ فنا گردیدہ ام از پیچ و تاب
غافل از رفتارِ عمر و فارغ از تکمیلِ عشق ۔ کردہ آغوشِ وداعِ دل نشیمن گاہِ خواب
نقد را آگاہی بہ وہمِ فرصتے در باختہ ۔ دست خالی بر سر و دل پائمالِ اضطراب
خود تو میدانی کہ کم گردیدہ رشتۂ اُمید ۔ تشنہ تر مے گردد از بے آبیِ موجِ سراب
دل ز کار اُفتادہ و پا واماندہ و دست از ہم شکست ۔ قطعِ منزل کے تواں کردن بہ ایں حالِ خراب
مدعا را بر زباں آوردن از بیگانگی ست ۔ جُز نگاہے شاہدِ ما را کفن باد از نقاب
ذوقِ مطلب از تو و من از تو و مطلب ز تو ۔ خود توی بخشی و می فہمی زبانِ اضطراب
شعلۂ شوقے ہوس دارم ز سودائے جنُوں ۔ کآتشِ افسردہ را بخشد بہارِ التہاب
دین و دُنیا را بلاگردانِ نازت کردہ ام ۔ جلوۂ رنگیں نما و صد گلشنِ خُلد انتخاب

حرمتِ جانِ محمدؐ یک نظر کُن سُوئے من
یا علیؓ یا مرتضےٰؓ یا بوالحسنؓ یا بوترابؓ

شب زلف و رخِ عرق فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ہر قطرۂ اشک دیدۂ پُر نم تھا

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی بیتابئ رشک و حسرتِ دید سہی
ہم اور فسردن اے تجلی افسوس! تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

ہے خلقِ حسد قماش لڑنے کے لئے وحشت کدۂ تلاش لڑنے کے لئے
یعنی ہر بار صورتِ کاغذِ باد ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لئے

اے کثرتِ فہم بے شمار اندیشہ ہے اصل خرد سے شرمسار اندیشہ
یک قطرۂ خوں و دعوتِ صد نشتر یک وہم و عبادتِ ہزار اندیشہ

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

خمخانۂ شباب

سنہ ۱۸۲۱ء تا سنہ ۱۸۲۷ء

غزلیات

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اِس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی؟
دل بھی اگر گیا تو وُہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیٔ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اِک گلدستہ ہے ہم بےخُودوں کے طاقِ نسیاں کا

بیاں کیا کیجیے بیدادِ کاوشہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خُوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالبؔ
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا ۱۸۲۷ء

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا — یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے — یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا
تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز! — میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا، وگرنہ میں — طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا
ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے — ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا
کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز — ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

دوست غمخواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا؟
بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟
حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرشِ راہ
کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دے کہ سمجھائیں گے کیا؟

نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتوِ خورشید عالم شبنمستاں کا

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

اُگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

ہنوز اک پرتوِ نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آکر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلود ہونا تیری مژگاں کا

محابا کیا ہے، میں ضامن، ادھر دیکھ　　شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا
سن اے غارت گرِ جنسِ وفا، سن!　　شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
کیا کس نے جگرداری کا دعویٰ؟　　شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں؟　　یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیا
بلائے جاں ہے غالبؔ اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا　　۱۸۲۷ء

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا ق آتشِ خاموش کی مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں　　آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں، ورنہ غافل! بارہا　　میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں　　کچھ خیال آیا تھا وحشت کا، کہ صحرا جل گیا
دل نہیں، تجھ کو دکھاتا ورنہ، داغوں کی بہار　　اس چراغاں کا کروں کیا، کارفرما جل گیا
میں ہوں اور افسردگی کی آرزو، غالبؔ! کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا ق جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
برروئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے ق یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی !
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے ؟

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں کھائیں گے کیا؟

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا!
کہاں تک اے سراپا ناز "کیا کیا؟"

نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا

نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

نفس موجِ محیطِ بیخودی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا

دماغِ عطر پیراہن نہیں ہے
غمِ آوارگی ہائے صبا کیا

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ اناالبحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالبؔ
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
دے بطِ مے کو دل و دستِ شنا موجِ شراب

پوچھ مت وجہ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موج اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

نشے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بسکہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل
ہے تصور میں زبس جلوہ نما موجِ شراب

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے — ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں — شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن — غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار — لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں — حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدؔ
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد — تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام — مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ! — اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا — روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

برقِ خرمن زارِ گوہر ہے نگاہِ تیز یاں
ق اشک ہو جاتے ہیں خشک از گرمیِ رفتارِ دوست
ہے سوا نیزے پہ اُس کے قامتِ نوخیز سے
ق آفتابِ صبحِ محشر ہے گُلِ رُخسارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
خانہ ویراں سازیِ حیرت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست
عشق میں بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست
چشمِ ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے
دیدۂ پرخوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست
غیر یوں کرتا ہے پرسش مجھ سے اسکے ہجر میں
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست
تاکہ میں جانوں کہ ہے اسکی رسائی واں تلک
مجھکو دیتا ہے پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست
جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

جاتا ہوں جدھر سب کی اُٹھے ہے اُدھر انگشت
ق یکدست جہاں مجھ سے پھرا ہے مگر انگشت

گرمی ہے زباں کی سببِ سوختنِ جاں !
ق ہے شمع شہادت کے لیئے سربسر انگشت

شوخی تیری کہہ دیتی ہے احوال ہمارا
رازِ دلِ صد پارہ کی ہے پردہ در انگشت

کس رُتبے میں باریکی و نرمی ہے کہ جُوں گُل
آتی نہیں پنجے میں بس اس کے نظر انگشت

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہے نشانی تری چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخن گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

آمدِ خط سے ہُوا ہے سرد جو بازارِ دوست
ق دُودِ شمعِ کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

ہے نازِ مفلساں زرِ از دست رفتہ پر　　ہوں گل فروشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز
فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و مہر　　ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیدادِ فن ہنوز

کب فقیروں کو رسائی بتِ مے خوار کے پاس　　تونبے بو دیجئے مے خانے کی دیوار کے پاس
مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے　　دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا　　جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس
مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے　　خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے　　دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
دہنِ شیر میں جا بیٹھئے لیکن اے دل　　نہ کھڑے ہوجئے خوبانِ دل آزار کے پاس
دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے　　خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل　　بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل
آزادیِ نسیم مبارک کہ ہر طرف　　ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دامِ ہوائے گل

چھپکے چھپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخئ گفتارِ دوست

مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ
ہے ردیفِ شعر میں غالبؔ ز بس تکرارِ دوست

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

جگر کو مرے عشقِ خوں نابہ مشرب
لکھے ہے "خداوندِ نعمت سلامت"

دو عالم کی ہستی پہ خطِ وفا کھینچ
دل و دستِ اربابِ ہمت سلامت

علی اللّرغم دشمن شہیدِ وفا ہوں
مبارک مبارک سلامت سلامت

نہیں گر بہ کامِ دلِ خستہ گردوں
جگر چاہیے جوشِ حسرت سلامت

نہیں گر سر و برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

نہ اوروں کی سنتا نہ کہتا ہوں اپنی
سرِ خستہ دشوارِ وحشت سلامت

وفورِ بلا ہے ہجومِ وفا ہے
سلامت ملامت ملامت سلامت

نہ فکرِ سلامت نہ بیمِ ملامت
ز خود رفتگی ہائے حیرت سلامت

رہے غالبِ خستہ مغلوبِ گردوں
یہ کیا بے نیازی ہے حضرت سلامت

حلقے ہیں چشمہائے کشادہ بسوئے دل ق ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہوں
عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہوں
ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

نہیں ہے زخم کوئی بخیے کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں
ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
ق کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں
ودیعت خانۂ بیداد کاوش ہائے مژگاں ہوں
نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں
بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شب مہ ہو جو رکھ دیں پنبہ دیواروں کے روزن میں
نکوہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں
ہوئے اس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشاں جوہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں رہ گیا — اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گل
خوش حال اُس حریفِ سیہ مست کا کہ جو — رکھتا ہو مثلِ سایۂ گل سر بپائے گل
ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہار — میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے — مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل
سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی — خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل
تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک — بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالبؔ مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں
فرصتِ کاروبارِ شوق کسے — ذوقِ نظارۂ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا — شورِ سودائے خط و خال کہاں
تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
ایسا آساں نہیں لہو رونا — دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق — واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں — مَیں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں

بس کہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

ہو فشارِ ضعف میں کب ناتوانی کی نمو
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

۱۸۲۷ء

عشق تاثیر سے نومید نہیں — جاں سپاری شجرِ بید نہیں
سلطنت دست بدست آئی ہے — جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامانِ وجود — ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے — ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

ہزاروں دل دیے جوشِ جنونِ عشق نے مجھ کو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

ق اسد زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

آبرو کیا خاک اُس گل کی جو گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں تاریکیِ زندانِ غم اندھیر ہے
پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلئ استاد نہیں

وائے محرومئ تسلیم و بدا حال وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

رنگ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے
گر چراغان سر رہگذر باد نہیں

سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اسکو دم ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہرئ یاران وطن یاد نہیں ۱۸۴۷ء

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں

ملنا اگر ترا نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبال دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائش عداوت اغیار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے　　غمِ محرومیٔ جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں　　غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق　　مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں
شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم　　لوگ کہتے ہیں کہ "ہے" پر ہمیں منظور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن　　ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیٔ منصور نہیں
حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی　　عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں
میں جو کہتا ہوں کہ "ہم لیں گے قیامت میں تمہیں"　　کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ "ہم حور نہیں"
ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو　　تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
پیٹھ محراب کی قبلہ کی طرف رہتی ہے　　محوِ نسبت ہیں تکلف ہمیں منظور نہیں
صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ　　وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں
ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں　　۱۸۲۷ء

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں　　ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
عشق و مزدوریٔ عشرت گہِ خسرو کیا خوب　　ہم کو تسلیم نکونامیٔ فرہاد نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسدؔ
کھلا کہ فائدہ عرضِ ہنر میں خاک نہیں

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو — کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا — ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کہیں — عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

اس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسدؔ
اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو — صد رہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو
دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے — کس قدر ذوقِ گرفتاریٔ ہم ہے ہم کو

دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا! لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسدؔ کو خلوت و جلوت میں بارہا

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں

سوائے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے

وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے

کہ غیرِ جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

بھلا اسے نہ سہی۔ کچھ مجھی کو رحم آتا

اثر مرے نفسِ بے اثر میں خاک نہیں

خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش

شراب خانے کے دیوار و در میں خاک نہیں

ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ

سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہو سکے کیا خاک دست و بازوئے فرہاد سے
بے ستونِ خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے ق

ان ستم کیشوں کے کھائے ہیں زبس تیرِ نگاہ
پردۂ بادام یک غربال حسرت بیز ہے ق

ہے بہار تیز رو گلگونِ نکہت پر سوار
یک شکستِ رنگِ گل صد جنبشِ مہمیز ہے

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو؟
یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
وائے ناکامی کہ اس کافر کا خنجر تیز ہے

ق
عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسدؔ
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے ۔۔۔ بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر ۔۔۔ آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی ۔۔۔ ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم مصوری ۔۔۔ تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیے

ضعف سے نقشِ پئے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو

جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہِ غلط انداز تو سم ہے ہم کو

رشکِ ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدے کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو ۱۸۲۷ء

بہ سختی ہائے قیدِ زندگی معلوم آزادی ق شرر در بندِ دامِ رشتۂ رگ ہائے خارا ہے
اسدؔ یاسِ تمنا سے نہ رکھ امیدِ آزادی ق گدازِ آرزو ہا آبیارِ آرزو ہا ہے

مری ہستی فضائے حیرت آبادِ تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفائے دلبراں ہے اتفاقی ورنہ اے ہمدم!
اثر فریادِ دلہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخیِ اندیشہ تابِ رنجِ نومیدی
کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدیدِ تمنا ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آ جائے ہے
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیِ صہبا سے پگھلا جائے ہے
غیر کو یارب! وہ کیونکر منعِ گستاخی کرے
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
دُور چشمِ بد تری بزمِ طرب سے واہ واہ
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے
گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
اس کی بزم آرائیاں سُن کر دلِ رنجور یاں
مثلِ نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
ہو کے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا
رنگ کھُلتا جائے ہے جتنا کہ اُڑتا جائے ہے
نقش کو اس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا — ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

سر پائے خم پہ چاہیے ہنگامِ بیخودی — رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے

یعنی بحسبِ گردشِ پیمانۂ صفات — عارف ہمیشہ مستِ مئے ذات چاہیے

نشو و نما ہے اصل سے غالبؔ فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی — میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟ — اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے — غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو — آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام — دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں! — نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف! — آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے — بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

پھر کھلا ہے در عدالت ناز — گرم بازار فوجداری ہے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر — زلف کی پھر سررشتہ داری ہے
پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے
پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب — اشک باری کا حکم جاری ہے
دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اس کی روبکاری ہے

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے — جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے — اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے — یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر — وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں — تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں — ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
اللہ ری تیری تندی خو جس کے بیم سے — اجزائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے
اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق — جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے
نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسدؔ
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے — تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے
نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم — لے لیا مجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
کثرت آرائیِ وحدت ہے پرستاریِ وہم — کر دیا کافر ان اصنامِ خیالی نے مجھے

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے — سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشم دلّالِ جنسِ رسوائی — دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بے قراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط "خراب" لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غمِ زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اُٹھاتے تھے لذتِ الم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے
تمہارے آئیو اے طرّۂ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے
ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری　　اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلشِ غمزۂ خوں ریز نہ پوچھ!　　دیکھ خوں نابہ فشانی میری

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اِک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال، نہ نظارۂ جمال
مُدت ہُوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم
ہر موجِ گردِ راہ میرے سر کو دوش ہے

مے نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب
اے شوق یاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا
کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست
بزمِ خیال میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
ق زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سُنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دُشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں
نے وہ سرور و سور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہُوئی
اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

۱۸۲۷ء

صحبتِ ناداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل — بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے
غافل اِن مہ طلعتوں کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسدؔ
آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

وہ آ کے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال
بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا
رک گیا دیکھ روانی میری

قدرِ سنگِ سرِ رہ رکھتا ہوں
سخت ارزاں ہے گرانی میری

گردِ بادِ رہِ بیتابی ہوں
صرصرِ شوق ہے بانی میری

دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب
ننگِ پیری ہے جوانی میری ۱۸۴۷ء

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سر انگشتِ حنائی کا تصور
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو
خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جفائیں کرکے اپنی یاد شرما جائے ہے مجھ سے

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے

وہ بدخُو اور میری داستانِ عشق طولانی
عبارت مختصر۔ قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے

ادھر وہ بدگمانی ہے ۔ ادھر یہ ناتوانی ہے
نہ پُوچھا جائے ہے مجھ سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

سنبھلنے دے مجھے اے نااُمیدی! کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف! نظارگی میں بھی سہی ۔ لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہُوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدّعی کا ہمسفر غالب
وہ کافر جو خُدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — ق
کہا جو اُس نے "ذرا میرے پاؤں داب تو دے" — ١٨٢٦ء

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابندِ نے نہیں ہے
کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے — گر باغ گدائے مے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے — پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے
شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے — اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ
آخر تو کیا ہے؟ اے "نہیں ہے"

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے — سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلۂ آواز ہے
پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے — نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

دست گاہِ دیدۂ خونبارِ مجنوں دیکھنا
یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب — عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال — صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا — جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس — زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو — سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ — چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں — سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

مُتفرقات[۱]

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب — یار لائے مری بالیں پہ اسے پر کس وقت

۱؎ افسوس ہے کہ ان متفرق اشعار کے متعلق ہم تصدیق نہیں کر سکے کہ وہ سنہ ۱۸۲۶ء سے پہلے یا بعد میں لکھے گئے۔

رونے سے اور عشق میں بےباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ مےکشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر؟
پردے میں گُل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اُٹھائی کل اُس نے اسدؔ کی نعش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

اُگ رہا ہے در و دیوار پہ سبزہ غالبؔ — ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا — کہ اس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی — وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہوں میں بھی تماشائیِ نیرنگِ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

رباعیات[له]

آتشبازی ہے جیسے شغلِ اطفال — ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی — لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال

له نسخۂ شیرانی کے آخر کے چند صفحات غائب ہیں۔ اور قرینِ قیاس ہے کہ ان میں قطعات اور رباعیات ہوں گی۔ ان صفحات کی کمی کی وجہ سے صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی اور کونسی رباعیاں نسخۂ شیرانی کی کتابت کے وقت بھی جا چکی تھیں۔

لو ہم مریضِ عشق کے تیماردار ہیں　　اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور　　رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا!　　رکھ لیجو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر　　عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

واں اس کو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
اپنے کو دیکھتا نہیں۔ ذوقِ ستم کو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

گھر میں تھا کیا؟ کہ ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اِک حسرتِ تعمیر سو ہے

پینس میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے　　کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

بہارِ عجم

ا ۔ لالۂ صحرا
ب ۔ گلِ رعنا } ۱۸۲۷ تا ۱۸۳۸

ج ۔ بادۂ شیراز ۱۸۳۸ تا ۱۸۴۷

د ۔ گلبنِ ہندی ۱۸۲۷ تا ۱۸۴۷

دل سخت نژند ہوگیا ہے گویا　　اس سے گلہ مند ہوگیا ہے گویا
پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں　　غالبؔ منہ بند ہوگیا ہے گویا

دُکھ جی کے پسند ہوگیا ہے غالب　　دل رُک کر بند ہوگیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں　　سونا سوگند ہوگیا ہے غالبؔ

لالۂ صحرا[1]

غزلیات

بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شبہا
سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

بروئے برگِ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری
بہار از حسرتِ فرصت بدنداں میگزد لبہا

بخلوت خانۂ کامِ نہنگِ "لا" زدم خود را
ستوہ آمد دل از ہنگامۂ غوغائے مطلبہا

کند گر فکرِ تعمیرِ خرابیہائے ما گردوں
نیاید خشت مثلِ استخواں بیروں ز قالبہا

خوشا بے رنگیِ دل دستگاہِ شوق را نازم
نمی بالد بخویش ایں قطرہ از طوفانِ مشربہا

ندارد حسن در ہر حال از مشاطگی غفلت
بود تہ بندیِ خط سبزۂ خط در تہِ لب ہا

خوشا رندی و جوشِ زندہ رود مشربِ عذلیش
بہ لبِ خشکی چہ میری در سرِ البستانِ ظلمہا

---

[1] اس عنوان کے تحت جو غزلیات وغیرہ درج ہیں۔ وہ سوائے پہلی غزل کے سب سفرِ کلکتہ کی یادگار ہیں۔ اور پہلی غزل بھی زبان اور خیالات کے لحاظ سے اس زمانے کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

کشد چہ رنج سخنور کہ نقشہائے بدیع   ز بہرِ آنکہ گزارد بہ یادگار کشد
خجستہ طالع دستے کہ بے توقعِ مزد   ز پائے رہروِ آزردہ پائے خار کشد
نیاز مند مباد آں بزرگِ کوچک دل   کہ ناز رہ نشینانِ خاکسار کشد
کفش بہ کوچہ و بازار زر فشاں باید   بخانہ آنکہ سراپردہ زرنگار کشد

کشتۂ دعویِ پیدائیِ خویشیم ہمہ — وائے گر پردہ ازیں رازِ نہاں برخیزد
زینہار از تعبِ دوزخِ جاوید مترس — خوش بہاریست کزو بیمِ خزاں برخیزد
جزوے از عالمم و از ہمہ عالم بیشم — ہمچو موئے کہ بتاں را ز میاں برخیزد
عمرہا چرخ بگردد کہ جگر سوختۂ — چوں من از دودۂ آذر نفساں برخیزد
گر دہم شرحِ ستمہائے عزیزاں غالب
رسمِ امید ہمانا ز جہاں برخیزد (کلکتہ)

شبہائے غم کہ چہرہ بہ خوناب شستہ ایم
از دیدہ نقشِ وسوسۂ خواب شستہ ایم
افسونِ گریہ برد ز خوبیت عتاب را
از شعلۂ تو دود بہفت آب شستہ ایم
زاہد خوش است صحبت از آلودگی مترس
کایں خرقہ بارہا بہ مئے ناب شستہ ایم
اے در عتاب رفتہ ز بے رنگیِ سرشک
غافل کہ ما شب از مژہ خوناب شستہ ایم
پیمانہ را ز بادہ بہ خوں پاک کردہ ایم
کاشانہ را ز رخت بہ سیلاب شستہ ایم

توخوی پنداری و دانی که جاں بردم نمیدانی — که آتش در نهادم آب شد از گرمیٔ تبها

مبادا همچو تارِ سبحه از هم بگسلد غالب
نفس با این ضعیفی برنتابد شورِ یاربها

بر نمی آید ز چشم از جوشِ حیرانی مرا — شد نگه زنار تسبیحِ سلیمانی مرا

دامن افشاندم بجیب مانده دربندِ تنم — وحشتے کو تا بروں آرد ز عریانی مرا

وه که پیش از من بپابوسِ کسے خواهد رسید — سجدهٔ شوقے که می بالد به پیشانی مرا

با همه خرسندی از فرطِ شکوه‌ها دارم همی — تا ندانند صیدِ پرسشهائے پنهانی مرا

تشنه لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جاں دهم — گر بموج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا

با سراج الدین احمد چاره جز تسلیم نیست
ورنه غالب نیست آهنگِ غزلخوانی مرا — (کلکته)

تا کیم دودِ شکایت ز بیاں برخیزد — بزن آتش که شنیدن ز میاں برخیزد

می رمی از من و خلقے بگمانست ز تو — بے محابا شو و بنشیں که گماں برخیزد

گر دهم شرحِ عتابے که بدلها داری — دود از کارگهِ شیشه گراں برخیزد

با قدت سرو چه شخصیست که ناگه یکبار — بیخود از جا ز هجومِ خفقاں برخیزد

بسکه گیرند بیاد هوس و عشقِ دگر — رسمِ بیداد مباد از جهاں برخیزد

قصیدهٔ در منقبت

نازم به گرانمایگیِ دل که ز سودا — هر قطرهٔ خوں یافته پیرایهٔ سویدا

اجزائے وجودم رگ دانیست که ز جاں یافت — پالوده بداں شیوه که دل گشت سراپا

در جیب ز فیضانِ گلِ شاداب فشاندم — هر چند به تفِ تشنگیم سوخت به صحرا

در بزمِ حریفاں رگِ مهتاب گسستم — گر خود گر دوں سکه ریخت به صهبا

نفریں نزند سیلیِ صرصر به چراغم — تحسیں نبرد ماند ز رگ سازِ من آوا

از بسکه بسیمست مئے جنبشِ کلکم — در پرده به نقشِ دلم ببرد ز جا

بے راه اگر گام زنم خضر دگیرید — در عرصه ره ہم زده از سیست به پهنا

نظارهٔ خوباں وشِ دُ نغمه حرامست — دیدیم و شنیدیم سَمِعنا و اَطَعنا

با ایں همه مرحبا کنه آهنگ خرابی — سر گرمئ شوقے که بود حوصله فرسا

با نغمهٔ مطرب نتواں شد متعصب — از جلوهٔ ساقی نتواں کرد تبرا

شوقست که چوں نشاهٔ توحید رساند — آرد ار برده پایهٔ منصور بما لا

شوقست که فرهاد از و مرده به سختی — شوقست که مجنوں شد از و باد پیما

شوقست که مرآت مراد اده به صیقل — شوقست که زو طوطیِ طبعم شده گویا

شوقست که ز اعجاز اثر ہائے قلمش — آئینهٔ پیدائیِ حرف ست ورقها

غرقِ محیطِ وحدتِ صرفیم و در نظر
از روئے بحر موجہ و گرداب گشتہ ایم
بے دست و پا بہ بحرِ توکل فتادہ ایم
از خویش گر بزحمتِ اسباب گشتہ ایم
در مسلخِ وفا ز حیا آب گشتہ ایم
خوں از جبیں و دست ز قصاب گشتہ ایم
غالب رسیدہ ایم بہ کلکتہ و بہ مے
از سینہ داغِ دوریِ احباب شستہ ایم

تا فصلے از حقیقتِ اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم
ایماں بہ غیب تفرقہ ہا رُفت از ضمیر
ز اسما گزشتہ ایم و مسمّٰی نوشتہ ایم
قلزم فشانیِ مژہ از پہلوئے دل است
ایں ابر را برات بدریا نوشتہ ایم
در ہیچ نسخہ معنیِ لفظِ امید نیست
فرہنگ نامہ ہائے تمنّا نوشتہ ایم
آئندہ و گزشتہ تمنّا و حسرت است
یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم
آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم
کو بت ز نقشِ جبہۂ ما یک قلم پرست
لختے سپاس ہمدمے پا نوشتہ ایم
غالب الف ہماں علمِ وحدتِ خود است
ر ۷ ہ ر ۱۰۰ گ ۱۳/۱ ۸ نوشتہ ایم (کلکتہ)

دانسته شود هرچه ز اسرارِ تعیّن — سنجیده شود هرچه ز آثارِ من و ما
از خامهٔ نقاش برون نامده هرگز — هر نقش که بینی ز پسِ پرده هویدا
وحدت همه جز نسبتِ معیّن که خود از وی — هستی همه جز ویست حقیقی که مراو را
طرفے نتواں بست بسرگرمیِ اوهام — هرگز نتواں کرد پراگنده به اجزا
آئینه به پیشِ نظر و جلوه فراواں — دل پر هوس و صاحبِ خلوتکدهٔ تنها
پیدا و نهاں مشغلهٔ حبِّ ظهور ست — چوں پرده برافتد نه نهاں است نه پیدا

صبحِ بنارس

تعالی الله بنارس چشمِ بد دور — بهشتِ خرّم و فردوسِ معمور
تناسخ مشرباں چوں لب کشایند — بکیشِ خویش کاشی را ستایند
که هر کس کاندراں گلشن بمیرد — دگر پیوندِ جسمانی نگیرد
زهے آسودگی بخشِ رواں‌ها — که داغ چشم می شوید ز جاں‌ها
شگفتے نیست از آب و هوایش — که تنها جاں شود اندر فضایش
بیا اے غافل از کیفیتِ ناز — نگاهے بر پری زادانش انداز
همه جانهائے بے تن کن تماشا — ندارد آب و خاک ایں جلوه ها را
نهادشاں چو بوئے گل گراں نیست — همه جانند جسمے در میاں نیست

قانع بہ سخن نیستم و باک ندارم — نہ خویش سپاس ست و نہ از غیر محابا
نظارگیِ جلوۂ اسرارِ خیالم — در آئینۂ چشمِ حسود و دلِ اعدا
نہ آویزشِ دونان ز سخن باز نمانم — سیلاب مرا زین خس و خاشاک چہ پروا

شوقم ہمہ رازست من و عربدہ ہرگز
سوزم ہمہ سازست من و شکوہ مبادا

لا

گر مہر و گر کین ہمہ رعنائیِ وہم ست — شاد آنکہ بہ نیرنگ نہ گردید فریبا
اندیشہ دو صد گلکدہ گل بردہ بدامن — اما ہمہ از نقش و نگارِ پرِ عنقا
آن وعظِ فقیہان نہ تزاہد کہ نزیبد — بر صفحۂ دین نقش رواجِ غمِ دنیا
وان نغمۂ مستانۂ رندان کہ نیرزد — دم سردیِ امروز بسرگرمیِ فردا
آن حسن و دمِ ناز و افسونِ ادائے — جان باز دمیدن بہ تنِ صورتِ دیبا
وان عشق و گلۂ عجز بہ امید نگاہے — از خویش گذشتن بسرِ راہ تمنا
گردیدنِ ہفت اختر و نہ چرخ بہر سو — زین عربدہ بالیدن آثار بہر جا
گل کردنِ صد رنگ بہار از جگرِ خاک — بر جستنِ یکدستہ شرار از رگِ خارا
ہنگامۂ ابلیس ز شادا [illegible] — افسانۂ آوارگیِ آدم و حوا

ز تابِ جلوہ ہا بیتاب گشتہ
گہر ہا در صدف ہا آب گشتہ

بادِ مخالف

اے تماشائیانِ بزمِ سخن! وے مسیحادمانِ نادرِ فن
اے سخن پرورانِ کلکتہ وے زباں آورانِ کلکتہ
اسد اللہ بخت برگشتہ در خم و پیچ عجز سرگشتہ
گرچہ ناخواندہ میہمانِ شماست بے سخن ریزہ چینِ خوانِ شماست
بہ تظلم رسیدہ است اینجا بامید آرمیدہ است اینجا
کارِ احباب ساختن رسم است میہماں را نواختن رسم است
آں رہ و رسمِ کارسازی کو شیوۂ میہماں نوازی کو
کیستم دِل شکستۂ غم زدۂ بے دلے خستۂ ستم زدۂ
برقِ بے طاقتی بجاں زدۂ آتشِ غم بخان و ماں زدۂ
از گدازِ نفس بتاب تبے در بیابان یاس تشنہ لبے
خسِ طوفانیے از محیطِ بلا سر بہ گردِ کاروانِ فنا
دردمندے جگر گداختۂ از غمِ دہر زہرہ باختۂ

خس و خارش گلستانست گوئی — غبارش جوهر جانست گوئی
سوادش پایهٔ تختِ بت پرستاں — سراپایش زیارت گاهِ مستاں
عبادت خانهٔ ناقوسیاں ست — همانا کعبهٔ هندوستانست
بتانش را هیولیٰ شعلهٔ طور — سراپا نورِ ایزد چشمِ بد دور
میاں ها نازک و دل ها توانا — ز نادانی بکارِ خویش دانا
تبسّم بسکه در لبها طبیعیست — دهن ها رشکِ گلهائے ربیعیست
ادائے یک گلستاں جلوه سرشار — خرامے صد قیامت فتنه دربار
به لطف از موجِ گوهر نرم رو تر — بناز از خونِ عاشق گرم دو تر
ز انگیزِ قد اندازِ خرامے — بپائے گلبنے گسترده دامے
ز رنگیں جلوها غارتگرِ هوش — بهارِ بستر و نوروزِ آغوش
ز تابِ جلوهٔ خویش آتش افروز — بتانِ بت پرست و برهمن سوز
بسامانِ دو عالم گلستاں رنگ — ز تابِ رخ چراغانِ لبِ گنگ
قیامت قامتاں مژگاں درازاں — ز مژگاں بر صفِ دل نیزه بازاں
به تن سرمایهٔ افزایشِ دل — سراپا مژده آسایشِ دل
به مستی موج را فرموده آرام — ز لغزی آب را بخشیده اندام
نهاده شورشے در قالبِ آب — ز ماهی صد دلش در سینه بیتاب
ز بس عرضِ تمنا میکند گنگ — ز موجِ آغوشها وا میکند گنگ

که فلاں با قتیل نیکو نیست　　مگسِ خوانِ نعمتِ او نیست
زلّہ بردارِ کس چرا باشم
من ہُمایم مگس چرا باشم؟

فریاد

نہ مرا دولتِ دنیا، نہ مرا اجرِ جمیل　　نہ چو نمرود توانا، نہ شکیبا چو خلیل
با رقیباں کفِ ساقی، بمئے ناب کریم　　با غریباں لبِ جیحوں بدمے آب بخیل
اے بہ مسمارِ قضا دوختہ چشمِ ابلیس　　بدمِ گرمِ رواں، سوختہ بالِ جبریل
با توام خرّمئے خاطرِ موسےٰ بر طور　　با خودم خستگیِ لشکرِ فرعون بہ نیل
بر کمالِ تو در اندازہ کمال تو محیط　　بر وجودِ تو در اندیشہ وجودِ تو دلیل
نہ کُنی چارہ لبِ خشکِ مُسلمانے را　　اے بہ ترسا بچگاں کردہ مئے نابِ سبیل!
غالبِ سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بدیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل!

در آگہی فسانہ زدہ　　ہمہ بر خویش پشتِ پا زدہ
چہ بلا ہا کشیدہ ام آخر　　کہ بدینجا رسیدہ ام آخر
بس سیہ روزِ غربتم بینید　　تیرہ شبہائے وحشتم بینید
اندہِ دوریِ وطن نگرید　　غمِ ہجرانِ انجمن نگرید
نہ ہمیں نالہ و فغاں بلبم　　من و جاں آفریں کہ جاں بلبم
من کہ در عزمِ داوری کردن　　سازِ بزمِ سخنوری کردن
با بزرگاں نیاز ہا دارم　　ہم بدیں شیوہ نازہا دارم
بندہ ام بندہ مہربانان را　　رمز فہماں و نکتہ داناں را
نہ ز آویزشِ بیاں ترسم　　من و ایمانِ من کز آں ترسم
کہ پس از من بسالہائے دراز　　بزباں ماند ایں حکایت باز
کہ سفیہے رسیدہ بود اینجا　　چند روز آرمیدہ بود اینجا
با بزرگاں ستیزہ پیش گرفت　　زحمتے داد و راہِ خویش گرفت
شوخ چشمے و زشت خوئے بود　　بے حیائے و ہرزہ گوئے بود
برگِ دنیا نہ سازِ دینش بود　　ننگِ دہلی و سرزمینش بود
آہ ازاں دم کہ بعدِ رفتنِ من　　خونِ دہلی بود بگردنِ من
تابِ ہنگامہ ام خدا را نیست　　مہربانان دلست خارا نیست
دیں کہ در پیشگاہِ بزمِ سخن　　بزبانہا فتادہ است ز من

شباب غالب

آن بلبلم که در چمنستان بشاخسار — بود آشیانِ من شکنِ طرّهٔ بهار
آن مطربم که سازِ نوائے خیالِ من — غیر از کمندِ جاذبهٔ دل نداشت تار
آن ریشهٔ نگاهِ امیدم که دمبدم — بود از نمِ طراوتِ دل شوقم آبیار
هر غنچه از دمم بفضائے شگفتگی — فیضِ نسیم و جلوهٔ گل داشت پیشکار
هر جلوه را ز من بتقاضائے دلبری — از غنچه بود محملِ نازے بره گذار
هم سینه از بلائے جفا پیشه دلبران — فرهنگِ کاروانیِ بیدادِ روزگار
هم دیده از ادائے مغان شیوه شاہدان — فهرستِ روزنامهٔ اندوهِ انتظار
شوقم جریدهٔ رقمِ آرزوئے بوس — ذوقم قلمروِ ہوسِ مژده کنار
فکرم بجیبِ شاہدِ اندیشه گل فشان — کامم بطرفِ گلشنِ نظاره لاله کار
از بینشم و دل نهادِ ما بود تاج و تخت — در رنگ و بو بساطِ مرا بود پود و تار
بختم بجیبِ عشرتیان میفشاند گل — سعیم ز پائے محنتیان میکشید خار
وقتِ مرا روانئ کوثر در آستین — بزمِ مرا طراوتِ فردوس در کنار
ساقی ز باده برا اثرِ نغمه عذر خواه — مطرب ز نغمه در ہوسِ باده حق گزار

تشبیبِ قصیدہ

تو اے ستارہ ندانی کہ رنجم از آزار　　تو اے سپہر نہ سنجی کہ ترسم از بیداد
ترا غمیست بہ سرمایۂ گرانئ کوہ　　مرا دلیست بہ نیروئے تیشۂ فرہاد
من و بلائے تو قطعِ ادیم و تابِ سہیل　　من و جفائے تو شاگرد و سیلئ استاد
من و ستم دلِ رنجور و التفاتِ طبیب　　من و خطر رگِ مجنوں و نشترِ فصاد
بگوشِ تابِ طبیعت روم معاذ اللہ　　ندیدہ ام کہ خود از کیست جملہ بست و گشاد
ستارہ را ہمہ رفتار ز اقتضائے قضا است　　چنانچہ جنبشِ نرد از انامل نراد
فلک کجائی و طالع چہ و ستارہ کدام　　کنم شکایتِ دشمن ز دوست شرمم باد
غزل سرایم و در مہر پیچم از اندوہ　　ترانہ سنجم و برخیزم از سرِ فریاد
بیا کہ شوق عنانِ سخن بگرداند　　ز سنگلاخِ شکایت بہ مرغزار وداد
بیا کہ نیست ثباتے بدیں نشاط و ملال　　بیا کہ نیست دوامے بدیں بیاض و سواد
بیا کہ زود سر آید زمانۂ اندوہ　　شود روانِ گرامی ز بندِ تن آزاد

بیا کہ دادہ نویدِ نکوئیے فرجام
حسینؓ ابن علیؓ آبروئے دانش و داد

گلِ رعنا

غزلیات

خیز و بیراہہ روے راہ سر راہے دریاب
شورشِ آبلہ گہ حوصلہ گاہے دریاب

عالم آئینۂ راز ست چہ پیدا چہ نہاں
تاب اندیشہ نداری بہ نگاہے دریاب

گر بہ معنی نہ رسی جلوۂ صورت چہ کم است
خمِ زلف و شکنِ طرفِ کلاہے دریاب

غم افسردگیم سوخت کجائی اے شوق
نفسم را بہ پر افشانیٔ آہے دریاب

تا چہا آئینۂ حسرت دیدار تو ایم
جلوہ بر خود کن و ما را بہ نگاہے دریاب

تو در آغوشی و دست و دلم از کار شدہ
تشنہ سیے داو و رسن بر سر چاہے دریاب

داغِ ناکامیٔ حسرت بود آئینۂ وصل
شبِ روشن طلبی روزِ سیاہے دریاب

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار
نیست گر صبحِ بہارے شبِ ماہے دریاب

غالب و کشمکشِ بیم و امیدش ہیہات
یا بہ تیغے بکش و یا بہ نگاہے دریاب

از پردہ ہاے سازِ نفسہا اثرفشاں — وز جلوہ ہاے نازِ نظرہا کرشمہ بار
ہموارہ ذوقِ مستی و لہو و سرور و سور — پیوستہ شورِ شاہد و شمع و دمے و قمار
با کیسہ در خصومت و با کاسہ در لجاج — رندانِ پاکباز و شگرفانِ شادخوار
بہ مستیِ شبینہ و خوابِ سحرگہی — رنگینیِ سفینہ و اشعارِ آبدار
اکنوں منم کہ رنگ بروئیم نمے رسد — تا رُخ بخونِ دیدہ بشویم ہزار بار

چشمم گشودہ اند بکردارہاے من
زایندہ ناامیدم و از رفتہ شرمسار

هر آنچه در نگری جز به جنس مائل نیست — عیارِ بیکسیٔ ما شرافتِ نسبی ست
کسیکه از تو فریبِ وفا خورده داند — که بی‌وفائیِ گل در شمارِ بوالعجبی ست
عبودیت نکند اقتضای خواهشِ کارم — دعا بصیغهٔ امر است و امر بی‌ادبی ست

میانِ غالب و واعظ نزاع شد ساقی
بیا بلابه که هیجانِ قوتِ غضبی ست

آهی به عشقِ فاتحِ خیبر کنیم طرح — در گنبدِ سپهر مگر در کنیم طرح
در فصلِ دی که گشته جهان زمهریر زده — بنشین که آبِ گردشِ ساغر کنیم طرح
تا چند بشنوی تو و ما حسبِ حالِ خویش — افسانه‌های غیرِ مکرر کنیم طرح
ما را زبون مگیر گر از پا در آمدیم — از ما عجب مدار گر از سر کنیم طرح
خود را بشاهدی به بهشتیم زین سپس — در راهِ عشق جادهٔ دیگر کنیم طرح
از داغِ شوقِ پرده‌نشینان بسینه‌ایم — در زخمِ رشک روزنِ در کنیم طرح
از تار و پودِ ناله نقابی بهم بساز — وز دودِ سینه زلفِ معنبر کنیم طرح
برگِ حنا ز شعله و آذر بهم نهیم — پیرایه از شراره و اخگر کنیم طرح
از زخم و داغ لاله و گل در نظر کشیم — از کوه و دشت جلوهٔ منظر کنیم طرح
از سوز و ساز محرمِ مطرب کنیم جمع — از خار و خاره بالش و بستر کنیم طرح

آئینِ برهمن به نهایت رسانده‌ایم
غالب بیا که شیوهٔ آزر کنیم طرح

سحر دمیدہ و گل در دمیدنست مخسپ　　جہاں جہاں گلِ نظارہ چیدنست مخسپ
مشام را بہ شمیمِ گلے نوازش کن　　نسیمِ غالیہ سا در وزیدنست مخسپ
ز خویش حسنِ طلب بین و در صبوحی کوش　　مےِ شبانہ ز لب در چکیدنست مخسپ
ستارۂ سحری مژدہ سنجِ دیداریست　　ببیں کہ چشمِ فلک در پریدنست مخسپ
تو محوِ خواب و سحر در تأسف از انجم　　بہ پشتِ دست بہ دنداں گزیدنست مخسپ
نفس ز نالہ بہ سنبل درودنست بخیز　　ز خونِ دل مژہ در لالہ چیدنست مخسپ
نشاطِ گوش ز آوازِ قلقل است، بیا　　پیالہ چشم بہ راہِ کشیدنست مخسپ
نشانِ زندگیِ دل دویدنست، مایست　　جلاے آئینۂ چشم دیدنست مخسپ
ز دیدہ سودِ حریفاں کشودنست مبند　　ز دل مرادِ عزیزاں تپیدنست مخسپ

بذکرِ مرگ شبے زندہ داشتن ذوقیست
گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

ظہورِ بخششِ حق را ذریعہ بے سببی ست　　وگرنہ شرمِ گنہ در شمارِ بے ادبی ست
ز گیر و دار چہ غم، چوں لبالبے کہ منم　　ہنوز قصۂ حلاج حرفِ زیرِ لبی ست
رموزِ دیں نشناسم درست، و معذورم　　نہادِ من عجمی و طریقِ من عربی ست
نشاطِ جم طلب از آسماں نہ شوکتِ جم　　قدح مباش ز یاقوت، بادہ گر عنبی ست
بالتفات نیرزم در آرزو چہ نزاع　　نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبی ست
نہ ہم پیالہ نگشتے زاہداں بلاے بُود　　خوش است گر مے بخشش خلافِ شرعِ نبی ست

فرزند زیرِ تیغِ پدر مے نہد گلو   گر خود پدر در آتشِ نمرود میرود

غالب خوشست فرصتِ موہوم و فکرِ عیش
تارے کہ نیست در سرِ ایں پود میرود

چہ خیزد از سخنے کز درونِ جاں نبود   بریدہ باد زبانے کہ خونچکاں نہ بود
حکیم ساقی و مے تند و من زبد خوئی   ز رطلِ بادہ بخشم آیم ار گراں نہ بود
نگفتہ ام ستم از جانبِ خداست ولے   خدا بعہدِ تو ز خلق مہرباں نہ بود
زمامِ ناقہ بدستِ تصرفِ شوقست   بسوئے قیس گرایش ز ساربان نہ بود
مرا کہ لب بطلب آشنا نخواستۂ   روا مدار کہ رشتہ بخیہ دوال نہ بود
بالتفاتِ نگارم چہ جائے تہنیت ست   دعا کنید کہ نوعے ز امتحاں نہ بود

عجب بود سببِ بیخوابی کسے غالب
مرا کہ بالش و بستر ز پرنیاں نہ بود

بیا و جوشِ تمنائے دیدنم بنگر   چو اشک از سرِ مژگاں چکیدنم بنگر
ز من بجرمِ تپیدن کنارہ می کردی   بیا بخاکِ من و آرمیدنم بنگر
شنیدہ ام کہ نہ بینی و نا امید نیم   ندیدنِ تو شنیدم شنیدنم بنگر
دمیدہ دانہ و بالیدہ آشیاں گم شد   در انتظارِ ہما دام چیدنم بنگر
نیاز مندیِ حسرت کشاں نمیدانی   نگاہِ من شو و دزدیدہ دیدنم بنگر
بدادِ من نرسیدی ز درد جاں دادم   بدادِ طرزِ تغافل رسیدنم بنگر

ژدهٔ صبح دریں تیره شبانم دادند — شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند
خ کشودند و لب هرزه سرایم بستند — دل ربودند و دو چشم نگرانم دادند
وخت آتش کده ز آتش نفسم بخشیدند — ریخت بتخانه ز ناقوس فغانم دادند
ہر از رایت شاہان عجم برچیدند — بعوض خامهٔ گنجینه فشانم دادند
سر از تارک ترکان پشنگی بردند — به سخن ناصیهٔ فرکیانم دادند
وہر از تاج گسستند و بدانش بستند — ہرچه بردند به پیدا به نہانم دادند
ہرچه در جزیه ز گبراں مئے ناب آوردند — بشب جمعهٔ ماه رمضانم دادند
ہرچه از دستگهٔ پارس به یغما بردند — تا بنالم ہم ازاں جمله زبانم دادند
ل ز غم مرده و من زنده ہمانا این مرگ — بود از زنده بمانم که امانم دادند

ہم ز آغاز بخوف و خطر استم غالب
طالع از قوس و شمار از سرطانم دادند

عاشق چه گفتنیش که به درود میرود — نازم بخواجگی بغضب آلود میرود
از ناله ام مرنج که آخر شدست کار — شمع خموشم و ز سرم دود میرود
شادم به بزم وعظ که رامش اگرچه نیست — بارے حدیث چنگ و نے و عود میرود
فردوس جوے عمر بوسواس داده ما — سرمایه نیز در ہوس سود میرود
ماہم به لاغ دلابه تسلی نشویم کاش — ناداں ز بزم دوست چه خوشنود میرود
رشک وفا نگر که بدعوے گہ رضا — ہرکس چگونه در پئے مقصود میرود

خوش است کوثر و پاکست باده کز ره دست	ازان رحیق مقدس درین خمار چه حظ
چمن پر از گل و نسرین و دلربایی نه	بناز شست فتنه انگیز گروی سوار چه حظ
در آنچه من نتوانم ز احتیاط چه سود	بدانچه دوست نخواهد ز اختیار چه حظ
چنین که نخل بلندست و سنگ ناپیدا	ز میوه تا نفتد خود بشاخسار چه حظ
نه هر که خونی و رهزن بپایه منصورست	بدین نشیمن طبعی ز اوج دار چه حظ
به بند زحمت فرزند و زن چه می کشیم	ازین نخواسته غمهای ناگوار چه حظ

بعرض غصه نظیری وکیل غالب بس
اگر تو نشنوی از ناله های زار چه حظ

بحر اگر موج زنست از خس و خاشاک چه باک	با تو ز اندیشه چه اندیشه و از باک چه باک
وحشتی نیست اگر خانه چراغی دارد	با دل از تیرگی زاویهٔ خاک چه باک
با رضای تو ز ناسازی ایام چه بیم	با وفای تو ز بی مهری افلاک چه باک
کلک ما تا بکف ماست ز دشمن چه هراس	چون فریدون علم آراست ز ضحاک چه باک

طبعم از دخل خسان باز نه استد ز سخن
شعله را غالب از آویزش خاشاک چه باک

رفتم که کهنگی ز تماشا برافگنم	در بزم رنگ و بو نمطی دیگر افگنم
در وجد اهل صومعه ذوق نظاره نیست	ناهید را بزمزمه از منظر افگنم
معشوقه را ز ناله بدانسان کنم حزین	کز لاغری ز ساعد او زیور افگنم

تواضعے نہ کنم بے تواضعِ غالبؔ
بسایۂ خمِ تیغش خمیدنم بنگر

یارب ز جنوں طرح غمے در نظرم ریز — صد بادیہ در قالبِ دیوار و درم ریز
از مہرِ جہاں تاب اُمیدِ نظرم نیست — ایں تشت پُر از آتشِ سوزاں بسرم ریز
دل را ز غمم گریۂ بے رنگ بجوش آر — اجزائے جگر حل کن و در چشمِ ترم ریز
ہر سبق کہ نظارہ گداز ست نہادش — بگداز و بہ پیمانۂ ذوقِ نظرم ریز
سرمستِ مئے لذتِ دردم بخرام آر — ویں شیشۂ دل بشکن و در رہگذرم ریز
ہر خوں کہ عبث گرم شود در دلم افگن — ہر برق کہ بے صرفہ جہد بر اثرم ریز
ہر جا نمِ آبیست بمژگانِ ترم بخش — از قلزم و جیحوں کفِ خاکے بسرم ریز
از شیشہ گر آئیں نتواں بست نسیم را — بارے گلِ پیمانہ بجیبِ سحرم ریز
بگیرم کہ بہ افشاندنِ الماس نیرزم — مشتے نمکِ سُودہ بزخمِ جگرم ریز
ایں سوزِ طبیعی نگدازد نفسم را — صد شعلہ بپیغارہ بہ مغزِ شررم ریز
مسکیں خبر از لذتِ آزار ندارد — خارم کن و در رہ گذرِ چارہ گرم ریز
وجہے کہ بپا مزد تواں داد ندارم — آہم کن و اندر قدمِ نامہ برم ریز

دارم سرِ ہمطرحیِ غالبؔ چہ جنوں ست
یارب ز جنوں طرح غمے در نظرم ریز

مراکہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ — ترا کہ ہست و نیاشامی از بہار چہ حظ

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم — بکار و بار زنے کاروان بگردانیم
گہے بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم — گہے ببوسہ زبان در دہان بگردانیم
نہیم شرم بیک سو و باہم آویزیم — بشوخئے کہ رخ اختران بگردانیم
ز جوش سینہ سحر را نفس فرو بندیم — بلائے گرمی روز از جہان بگردانیم
بوہم شب ہمہ را در غلط بیندازیم — ز نیمہ رہ رمہ را با شبان بگردانیم
بجنگ باج ستانانِ شاخساری را — تہی سبد ز در گلستان بگردانیم
بہ صلح بال فشانانِ صبحگاہی را — ز شاخسار سوئے آشیان بگردانیم
ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود — گر آفتاب سوئے خاوران بگردانیم

بمن وصالِ تو باور نمی کند غالبؔ
بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن — این مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن
کوکبم را در عدم اوجِ قبولی بودہ است — شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن
حرف حرفم در مذاقِ فتنہ جا خواہد گرفت — دستگاہِ نازشِ شیخ و برہمن خواہد شدن
شادباش اے دل درین محفل کہ ہر جا نغمہ ایست — شیونِ رنجِ فراقِ جان و تن خواہد شدن
ہم فروغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہد گزید — ہم لباسِ بزمِ ہستی پرشکن خواہد شدن
از تب و تابِ فنا یکپارہ چون مشتِ سپند — ہر یکے گرمِ وداعِ خویشتن خواہد شدن
حسن را از جلوۂ نازش نفس خواہد گداخت — نغمہ را اندیشۂ سازش کفن خواہد شدن

ہنگامہ را انجیسم جنوں بر جگر زنم — اندیشہ را ہیولاے فسوں در سر افگنم
نخلم کہ ہم بجاے رطب طوطی آورم — ابرم کہ ہم بروے زمیں گوہر افگنم
با غازیاں ز شرحِ غمِ کارزارِ نفس — شمشیر را برعشہ ز تن جوہر افگنم
با دیریاں ز شکوۂ بیدادِ اہلِ دیں — مہرے ز خویشتن بدلِ کافر افگنم
ضعفم بہ کعبہ مرتبۂ قربِ خاص داد — سجادہ گستری تو و من بستر افگنم
تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر — بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم
راہے ز کنجِ دیر بہ مینو کشودہ ام — از خم کشم پیالہ و در کوثر افگنم
منصورِ فرقۂ علی اللہیاں منم — آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم
ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست — خود را بخاکِ رہ گزرِ حیدر افگنم

غالب بطرحِ منقبتِ عاشقانہ

رفتم کہ کہنگی ز تماشا برافگنم

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم — قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم
ز چشم و دل بتماشا تمتع اندوزیم — ز جان و تن بمدارا زیاں بگردانیم
بگوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم — بہ کوچہ بر سرِ رہ پاسباں بگردانیم
اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر کلیم شود ہمزباں سخن نہ کنیم — وگر خلیل شود میہماں بگردانیم
گل افگنیم و گلابے بر ہگزر پاشیم — مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

ہم خانہ بساماں بہ، ہم جلوہ فراواں بہ — در کعبہ اقامت کن، در بتکدہ مہماں شو

آوازۂ معنی را بر سازِ دبستاں زن — ہنگامۂ صورت را بازیچۂ طفلاں شو

گر چرخِ فلک گردی سر بر خطِ فرماں نہ — ور گوے زمیں باشی وقفِ خمِ چوگاں شو

آوردہ غمِ عشقم در بیخودگی ایزد — اے داغ بدل در رو، در دیدہ بیاباں شو

سرمایۂ کرامت کن، داں گاہ بغارت بر — بخشندہ مَن با ہر کہ بدہ، جانِ یاراں شو

جاں داد نجم غالب خوشنودیِ روحش را

در بزمِ عزاے کِش در نوحہ غزلخواں شو

گستاخ گشتہ ایم غرورِ جمال کو — پیچیدہ ایم سر زدہ، یا گوشمال کو

تا کے فریبِ حلم؟ خدا را خدا نہ — آں خوردۂ خشم کینہ و داغِ ملال کو

برگشتہ ایم ز مہر و نمی گیریم بہ قہر — دارم ور رسد جواب، پس پاے سوال کو

بالگست صحبت و نپذیرفت ربط — لیکن مرا ملال و ترا انفعال کو

خواہی کہ برفروزی سوری ز رنگ عیب — خواہم کہ پیش روی تو، لیکن مجال کو

گر گفتہ ایم کشتن و بستن نمی شوند — ما را تمنّاے بہ دار و خیال کو

داغم ز رشکِ شوکتِ صنعاں ولے چہ سود — آں دستگاہ و طاعتِ پنجاہ سال کو

من بوسہ جو و تو بہ سخن داریم نگاہ — لب تشنہ با لبِ تو، چشیدہ زلال کو

در بادۂ طہور عجب محتسب کجاست — در عیشِ خلد لذّتِ بیمِ زوال کو

غالب بشعر کم ز ظہوری نیم ولے — عادل شہِ سخن رس دریا نوال کو

دہر بے پروا عیار شیوہ ہا خواہد گرفت   داوری خوں در نہاد ما و من خواہد شدن
پردہ ہا از روئے کار ہمہ گر خواہد فتاد   خلوت گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن
گرد پندار وجود از رہگذر خواہد نشست   بحر توحید عیانی موجزن خواہد شدن
در تہ ہر حرف غالبؔ چیدہ ام میخانہ   تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن

حق کہ حقیقت سمیعست فلانی بشنو   بشنو، گر تو خداوند جہانی بشنو
"لن ترانی" بجواب "ارنی" چند و چرا؟   من نہ انیم بشناس و تو نہ آنی بشنو
سخنے خود خوان و بخلوت گہ خاصم جا دہ   آنچہ دانی بہ شمار، آنچہ ندانی بشنو
پردہ چند بہ آہنگ نکیسا بسرائے   غزلے چند بہ ہنجار فغانی بشنو
سخنے آئینہ برابر نہ و صورت بنگر   پارہ گوش بہ من دار و معانی بشنو
ہر چہ سنجم بترازوئے اندیشۂ پیری بینی   ہر چہ گویم بتو از عیش جوانی بشنو
داستان من و بیداری شبہائے فراق   تا نہ خسپی و بپایم تن آسانی بشنو
چارہ جو نیستم و نیز فضولی نہ کنم   من و اندوہ تو چندانکہ توانی بشنو
زینکہ دیدی بہ تجسّم طلبت ہم خطاست   سخنے چند ز غمہائے نہانی بشنو

نامہ در نیمۂ رہ بود کہ غالبؔ جاں داد
ورق از ہم درد ایں مژدہ زبانی بشنو

دولت بہ غلط نبود، از سعی پشیماں شو   کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو
از ہرزہ رواں گشتن، قلزم نتواں گشتن   جوئے بخیاباں رو، سیلے بہ بیاباں شو

کرشمه بار نهالی که بوده هستی   بسر رفته هوائے که داشتی داری
جهانیان ز تو برگشته اند گر غالب
ترا چه باک خدائے که داشتی داری

دیده ور آنکه تا نهد دل به شمار دلبری
در دل سنگ بنگرد رقص بتان آذری
ای تو که هیچ ذره را جز به رهِ تو روئے نیست
در طلبت توان گرفت بادیه را به رهبری
هر که دلست در برش داغ تو رونهدش به دل
تا چه به دیگرے دهد باز به ما بداوری
رشک ملک چه و چرا چون به تو ره نمی برد
بیهده در هوائے تو می پرد از سبکسری
حیف که من نجویمت وز تو سخن رود که تو
اشک به دیده بشکنی ناله به سینه بشکری
کوثر اگر به من رسد خاک خورم ز تشنگی
طوبی اگر ز من شود تخمه کشم ز بی بری
سینه‌ام از گداز دل در جگر آتشے چو سیل
غالب اگر دم سخن ره به ضمیر من بری

دارم دلے ز غصہ گرانبار بودۂ — بر خویشتن ز آبلہ چیزے فزودۂ
دل آں بلا کزو نفسے برقِ خرمنے — بخت آنچناں کزو اثرِ مرگ دودۂ
از بہرِ خویش ننگم و دارم ز بخت چشم — خود را در آب و آئینہ رُخ نانمودۂ
گمنام و نزد کس شیم و خواہم بمن رسد — در رختِ خوابِ شاہ بمستی غنودۂ
خواہم ز خواب بر رُخِ لیلےٰ کشائمش — چشمے نگہ بپردۂ محمل نسودۂ
خواہم شود بہ شکوہ و بیچارہ رام من — در گونہ گوں ادا بزبانہا ستودۂ
بادین و دانشے چو منے تا چہا کند — سجادہ و عمامہ ز صحتاں ربودۂ
با دوستاں مباحثہ دارم ز سادگی — در بابِ آشنائی نا آزمودۂ
خجلت نگر کہ در جستنم نیافتند — جز روزۂ درست بصہبا کشودۂ

در بزمِ غالبؔ آ و بشعر و سخن گرائے
خواہی کہ بشنوی سخنِ ناشنودۂ

بدل ز عربدہ جائے کہ داشتی داری — شمارِ عہد و وفائے کہ داشتی داری
تو کے ز جور پشیماں شدی چہ میگوئی! — دروغِ راست نمائے کہ داشتی داری
بسینہ چوں دل و در دل چو جاں تپیدی باز — نگاہِ مہر فزائے کہ داشتی داری
عتاب و مہرِ تو از ہم شناختن نتواں — خرد فریب ادائے کہ داشتی داری
خرابِ بادۂ دوشینہ سرت گردم — ادائے لغزشِ پائے کہ داشتی داری
بہ کردگار نگر دیدی، و ہماں افسوس — حدیثِ روزِ جزائے کہ داشتی داری

واسوخت

رفت آنکہ کسب بوئے تو از باد کردمے
گل دیدمے و روئے ترا یاد کردمے

رفت آنکہ گر براہ تو جاں دادمے ز ذوق
از موج گرد راہ نفس ایجاد کردمے

رفت آنکہ گر بہ بست نہ بہ نظرے نواختے
رنجیدمے و عمر بہ بنیاد کردمے

رفت آنکہ قیس را بہ ستمگی ستودمے
در جانکنی ستائش فرہاد کردمے

رفت آنکہ جانب رخ و قدت گرفتمے
در جلوہ بحث با گل و شمشاد کردمے

رفت آنکہ در ادائے سپاس پیام تو
ہرگونہ مرغ نامہ قفس آزاد کردمے

اکنوں خود از وفائے تو آزار می کشم
رفت آنکہ از جفائے تو فریاد کردمے

بندم ہمہ ز نظرہ کہ تابم نماندہ است
رفت آنکہ خویش را بہ بلا شاد کردمے

آخر بداد گاہ دگر او فتاد کار
رفت آنکہ از تو شکوۂ بیداد کردمے

غالب ہوائے کعبہ بسر جا گرفتہ است
رفت آنکہ سجدہ صنم خلخ و نوشاد کردمے

ترانۂ شوق

زمن گرت نبود باور انتظار بیا — بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا
بیک دو شیوہ ستم دل نمیشود خرسند — بمرگِ من کہ بسامانِ روزگار بیا
بہانہ جُواست در الزامِ مدعیٔ شوقت — یکے برغمِ دلِ ناامیدوار بیا
ہلاکِ شیوۂ تمکیں مخواہ مستاں را — عناں گسستہ تر از بادِ نوبہار بیا
زما گسستی و با دیگراں گرو بستی — بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا
وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد — ہزار بار برو صد ہزار بار بیا
تو طفلِ سادہ دل و ہمنشیں بدآموز است — جنازہ گر نتواں دید بر مزار بیا
فریب خوردۂ نازم چہا نمے خواہم — یکے بہ پرسشِ جانِ امیدوار بیا
زخوئے تُست نہادِ شکیب نازک تر — بیا کہ دست و دلم میرود زکار بیا
رواجِ صومعہ ہستیست زینہار مرو — متاعِ میکدہ مستیست ہوشیار بیا

حصارِ عافیتے گر ہوس کنی غالب
چو ما بہ حلقۂ رندانِ خاکسار بیا

قطعہ

چوں مرا نیست دستگاہ ستیز — چوں مرا نیست رسم و راہ مصاف
مے کشائم لبے بہایا ہاے — مے کشم خنجر زباں ز غلاف
لیک در ہجو بایدم امساک — در شکایت نشایدم اسراف
بندہ را بودہ است از سرکار — دست مزد مشقت اسلاف
زر سالانۂ برائے دوام — وجہ شائستہ بقدر کفاف
ملزمم کردہ اند ہاں بدروغ — حق من خوردہ اند ہیں بگزاف

آہ از اقربائے بے آزرم
داد از حاکمان ناانصاف

قطعۂ ہجویہ

ایا بے ہنر دشمن دیوسار — چہ نازی بہنگامۂ زشت و زر
ز ما باش فارغ کہ ما فارغیم — ندارم پرواے ایں شور و شر

ترا شیوہ دزدی و ما بے نوا
تو بدنفس بدگو و ما کور و کر

گربۂ غالب

دارم بجہاں گربۂ پاکیزہ نہادے — کز بالِ پریزاد بود موجِ رمِ او
سرمستِ ادا چوں بزمیں باز خرامد — از خاک دمد غنچۂ زنقشِ قدمِ او
چوں صورتِ آئینہ ز افراطِ لطافت — آئینہ منظر بچۂ او از شکمِ او
ہر شیرِ ثریا لئے کہ بہ بینی بہ نیستاں — دارد سرِ دریوزۂ غرشِ زدمِ او
گر جانورے مُردہ بہ بیند بسرِ راہے — از پاکیِ طینت نخورد غیرِ غمِ او
ہر بچہ کہ گنجشک بہ بوسے باز سپارد — در پرورشِ او نخورد جز قسمِ او
آرے بود از غیرتِ اندازِ خرامش — بر کبک و تذروست اگر خود ستمِ او
رخشندہ ادیمِ تنش از لطفِ زبانش — گوئی بہ اثر تابِ سہیل ست نمِ او
جوشِ گل و بالیدگیِ موجۂ رنگست — دُم لابہ کناں آمدنِ دمبدمِ او
در عربدہ چوں بند زدُم باز کشائد — لرزہ شکنِ طُرّۂ خوباں زخمِ او

تا چہرہ کشِ صفحۂ افلاک بود مہر
بادا کفِ دستِ من و پشت و شکمِ او

هین که درین کارگه پیچ پیچ ما حصل سعی تو هیچ است هیچ
ای همه تن وسوسهٔ سود تو کو؟ دهر سراب است وجود تو کو؟
خلق که از وهم نمودش هست وهم تو دانست که بودش هست
پیروی وهم مکن زینهار سر ز گریبان حقیقت برآر
خیز و چو منصور نوائی بزن هستی خود را سر پائی بزن
ساقی همت که صلائی دهد باده ز خمخانهٔ لا میدهد
همت اگر بال کشائی کند صعوه تواند که همائی کند
نیر توفیق اگر بر دمد لا اله نیست که الا دمد
همت ما غیر شهود حق است هر چه ببینیم وجود حق است
همت ما غیرت حق است و بس کثرت ما وحدت حق است و بس

از اثر سلطنت حق کلام
حرف ز لب میدمد والسلام

زندگی

توانائی از خلق خام و شکری که بیهده مر [illegible] پیش مال طلبیده اند
بر دل شادی و اندوه دل [illegible] [illegible] کرده اند
یزید را به بساط خلیفه بنشاند کلیم را [illegible] [illegible] کرده اند

نوائے سروش

غالب افسردہ دل و جاں بیا　　بے سر و پا در صفِ رنداں بیا
بیخبراں را خبرے باز دہ　　زاں مئے دیرین قدرے باز دہ
آں اثرِ پردہ سازت چہ شد؟　　زمزمۂ خارا گدازت چہ شد؟
آں نفسِ نالہ کمندت کجاست؟　　واں نگہِ جلوہ پسندت کجاست؟
در ہوسِ جاہ فرو رفتۂ　　حیف کہ در چاہ فرو رفتۂ
راہ غلط کردہ بافسونِ دیو　　می سپری مرحلۂ رنگ و ریو
بندہ زر بودن از اہرمنیست　　مردِ خدا ایں چہ خدا دشمنیست
آہ ز دنیا طلبیہائے تو　　ویں ہمہ ابرام و تقاضائے تو
گر مئے خونت کہ ازیں بیش بود　　صرف بر انداختنِ خویش بود
آتشِ ہنگامہ بجاں داشتی　　داغِ مغاں شیوہ بُتاں داشتی
آں ہمہ دیوانگی و جاہلی　　ویں ہمہ ناکامی و بے حاصلی
آں ہمہ بیراہہ رویہائے تو　　ویں ہمہ بے صرفہ دویہائے تو
آں ز جنوں برق بخرمن زدن　　ویں بخمِ دامِ ہوس تن زدن
نیمہ شب از عمرِ تو در خواب رفت　　نیمہ بہ پیمودنِ مہتاب رفت

امشب آتشین روئے گرم تند خوئیہاست　　[illegible]
کشتۂ دل خویشیم کز ستمگراں یکسر　　[illegible]

بخود برید ز سایۂ طوبیٰ غنودہ اند　　[illegible]

ہم بوعدہ و ہم منع ز بخشش چہ حجاب ست　　[illegible]
در مژدہ ز جوئے عسل و کاخ زمرد　　[illegible]
از جلوہ بہنگامہ شکیبا نتواں شد　　[illegible]

شادی و غم ہمہ سرگشتہ تر از یکدیگر اند
روز روشن بود داغ شب تار آمدہ است

اخترے خوشتر از ینہ بجہاں می بایست　　[illegible]
بزمے کہ بہ آہنگ غزل بنشینیم　　[illegible]
بر نشاط ہم سبو بادہ ز دور آوردن　　[illegible]
یا تمنائے من از خلد بریں گذشتے　　[illegible]

جواہراتِ پریشاں

بپایانِ محبت یاد مے آرم زمانے را　　کہ دل عہدِ وفا نابستہ دادم دلستانے را
ندارم تابِ ضبطِ راز و می ترسم ز رسوائی　　مگر جویم ز بہرِ ہمزبانی بے زبانے را

عمرے بہ پیری گشت و ہماں بر سرِ جورست　　گویند بتاں را کہ وفا نیست چرا نیست
جنت نکند چارۂ افسردگیِ دل　　تعمیر باندازۂ ویرانۂ ما نیست

انتظارِ جلوۂ ساقی کباب مے کند　　مے بساغر آبِ حیواں و بہ مینا آتش است
بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلا　　قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

ناچار با تغافلِ صیاد ساختیم　　پنداشتیم کہ حلقۂ دامم آشیانہ ایست
پابستۂ نوردِ خیالی چہ وارسی　　ہر عالمے ز عالمِ دیگر فسانہ ایست
غالب دگر ز منشاءِ آوارگی مپرس　　گفتم کہ جبہہ را ہوسِ آستانہ ایست

خون ہزار سادہ بگردن گرفتہ اند آنانکہ کشتہ اند نکویان نکو کنند
لب تشنہ جوئے آب شمارد سراب را می زیبد ار بہستیٔ اشیا غلو کنند

پیداست بے نیازیٔ عشق از فنائے ما گر زورقے شکست ز دریا چہ میرود
باما کہ محو لذت بیداد گشتہ ایم دیگر سخن ز مہر و مدارا چہ میرود
ہفت آسمان بگردش و ما در میانہ ایم غالب دگر مپرس کہ بر ما چہ میرود

دوست دارم گرہے را کہ بکارم زدہ اند کاین ہمانست کہ پیوستہ در ابروئے تو

اگر بدل نہ خلد ہرچہ از نظر گذرد زہے روانیٔ عمرے کہ در سفر گذرد
بوصل لطف باندازۂ تحمل کن کہ مرگ تشنہ بود آب چون ز سر گذرد

تمکین برہمن دلم از کفر بگرداند بتخانہ بیتے خانہ برانداز ندارد

گر رفتہ ام ز کوئے تو آسان نرفتہ ام این قصہ از زبان جگر ریزان شنیدہ باد
ذوقیست ہمدمی بفغان بگذرم ز رشک خار رہت بپائے عزیزان خلیدہ باد

گل فراواں بود و مے پُر زور و دوشم بر بساط　　خود بخود پیمانہ میگردید گردیدن نداشت
گر منافی وصل ناخوش ور موافق ہجر تلخ　　دیدہ داغم کرد رشکے دوستاں دیدن نداشت
بُرد آدم از امانت ہر چہ گردوں بر نتافت　　ریخت مے بر خاک آنچ در جام گنجیدن نداشت

منت از دل نمیتواں برداشت　　شکر ایزد کہ نالہ بے اثر است
قفس و دام را گنہے نیست　　ریختن در نہاد بال و پر است
ریزد آں برگ و ایں گل افشاند　　ہم خزاں ہم بہار در گذر است

از یک سبو است بادہ و قسمت جدا جدا است　　جمشید جام بُرد و قلندر کدو گرفت
رضواں چو شہد و شیر بہ غالب حوالہ کرد　　بیچارہ باز داد و مے مشکبو گرفت

دریں روش بہ چہ اُمید دل تواں بستن　　میانۂ من و او شوق حائلِ نُقّاد است

در پردۂ رسوائیِ منصور نوائیست　　رازت نشنودیم ازیں خلوتیاں ہیچ

بمن گرائے و وفا جو کہ سادہ برہمنم　　بسنگ ہر کہ دہد دل بتحفہ جز دل ندہد

رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا　　　　رنگ و بو گشت کهن برگ و نوا گشت تلف

گیرم امروز دهی کام دل آن حسن کجا　　　　اثرِ ناکامیِ سالہا گشت تلف

کاش پائے فلک از سیر بماندے غالبؔ　　　　روزگارے کہ تلف گشت چرا گشت تلف

از عشق و حسن ما و تو با ہمدگر در گفتگو　　　　خسرو و مجنوں یک طرف شیریں بہ لیلیٰ یکطرف

در ہیچ نسخہ معنیٔ لفظ امید نیست　　　　فرہنگنامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم

میر بایم بوسہ در عرضِ ندامت میکنم　　　　اختراعے چند در آداب صحبت میکنم

سنگ و خشت از مسجدِ ویرانہ می آرم بشہر　　　　خانہ در کوئے ترسایاں عمارت میکنم

کردہ ام ایمانِ خود را دستمزدِ خویشتن　　　　می تراشم پیکر از سنگ و عبادت میکنم

حسرت بروئے ترا جو تلافی نکند　　　　از تو آخر بچہ امید شکیبا باشم

سر از حجاب تعین اگر بروں آید　　　　چہ جلوہ ہا کہ بہر کیش میتواں کردن

مائیم و ذوقِ سجدہ چہ مسجد چہ بتکدہ　　　　در عشق نیست کفر ز ایماں شناختن

بعرضِ شہرتِ خویش احتیاج ما دارد — چو شعله که نیاز او فتد بخار و خسش
زیاس گشته سگِ نفس در تلاش دلیر — مگر ز رشتهٔ طولِ امل کنم مرسش
مرا بغیر بیک جنس در شمار آورد — فغاں که نیست ز پروانه فرق تا مگسش
خوشم که دوست خود آزمایه بود یا باشد — که در گماں نگاہم امیدگاہ کسش

به خلد از سردیِ ہنگامه خواہم — برافروزم بگیرد کوثر آتش
خنک شیخیکه در دوزخ بغلطد — مے آتش شیشه آتش ساغر آتش
دلے دارم که در ہنگامهٔ شوق — سرشتش دوزخ است و گوہر آتش
بسانِ موج میبالم به طوفاں — برنگِ شعله مے رقصم در آتش

در سلوک از ہر چه پیش آمد گذشتن داشتم — کعبه دیدم نقشِ پائے رہرواں نامیدمش
برامیدِ شیوهٔ صبر آزمائے زیستم — تو بریدی از من و من امتحاں نامیدمش

فرسوده رسمہائے عزیزاں فروگذار — در شورِ نوحه خواں و به بزمِ عزا برقص

تکیه بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط — کایں خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود غلط
غنچه را نیک نظر کردم و ادائے دارد — ویں که مانند دہانِ تو غلط بود غلط
ایں مسلّم که لب ہیچ مگو سئے داری — خاطرِ ہمچو میاں، تو غلط بود غلط

بادۂ شیراز

غزلیات

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را — رشک نگذارد کہ گویم نام را

آں مئیم باید کہ چوں ریزم بجام — زو سے در گردش آرد جام را

بے گناہم پیرِ دیر از من مرنج — من بمستی بستہ ام احرام را

از دلِ تست آنچہ بر من میرود — مے شناسم سختئ ایام را

تا نیفتد ہر کہ تن پرور بود — خوش بود گر دانہ نبود دام را

ما کجا او کو چہ سودا در سر ست — ذرہ ہائے آفتاب آشام را

دل ستاں در خشم و غالب بوسہ جو
شوق نشناسد ہمے ہنگام را

بوادیئے کہ دراں خضر را عصا خفتست — بسینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست

بدیں نیاز کہ با تست ناز میرسدم — گدا بسایۂ دیوار پادشا خفتست

بہ صبح حشر چنیں خستہ رو سیہ خیزد — کہ در شکایت درد و غم دوا خفتست

رُباعیات

کشتی از موج سوئے ساحل برد　　رہرو از جادہ تا بمنزل برود
خود شکوہ دلیلِ رفعِ آزارست　　آید بزباں ہر آنچہ از دل برود

اے آنکہ دہی مایۂ کم و خواہش بیش　　آں روز کہ وقت بازپرس آید پیش
بگذار مرا کہ من خیالے دارم　　با حسرت عیشہائے ناکردۂ خویش

گر دیدن زاہداں بجنبت گستاخ　　وین دست درازی بہ ثمر شاخ بہ شاخ
چوں نیک نظر کنی بہ روئے تشبیہ　　ماند بہ بہائم و علف زارِ فراخ

ہزار خستہ و رنجور در جہاں داری
یکے ز غالبِ رنجور خستہ تن یاد آر

دیدم آں ہنگامہ بے جا خوفِ محشر داشتم — خود ہماں شوریست کاندر زیست در سر داشتم
ہولِ روزِ حشر و تابِ مہر و شدت بود و بس — جلوۂ برقے در ابر و دامنِ تر داشتم
آنچہ سنجم دوزخ و کوثر؟ کہ من نیز اینچنیں — آتشے در سینہ و آبے بلب ساغر داشتم
دوش بر من عرض کردند آنچہ در کونین بود — زاں ہمہ کالائے رنگارنگ دل بر داشتم
از خرابی شد بنا حاصل خوشم زیں اتفاق — بود مقصودم محیط و سیل رہبر داشتم
کور بودم کز حرم راندند رفتم سوئے دیر — از جمالِ بت سخن مے رفت باور داشتم
سوزم از حرمانِ مے با آنکہ آبم در سبوست — تا چہ می کردم اگر بختِ سکندر داشتم

ہیچ مے دانی کہ غالب چوں بسر بردم بدہر
منکہ طبعِ بلبل و شغلِ سمندر داشتم

شاہا بہ بزمِ جشن چو شاہاں شراب خواہ — زر بے حساب بخش و قدح بے حساب خواہ
بے منت بہشت و بادہ حلالست در بہشت — گر باز پرس رود بہ از من جواب خواہ
تو پادشاہِ عہدی و بختِ تو نوجواں — برخور ز عمر و باجِ نشاط از شباب خواہ
در روزہائے فرخ و شبہائے دلفروز — صہبا بروزِ ابر و شبِ ماہتاب خواہ
گل بوے و شعر گو و گہر پاش و شاد باش — مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ
خونِ سیاہِ نافہ آہو چہ بو دہد — از حلقہائے زلفِ بتاں مشکِ ناب خواہ

خروشِ حلقهٔ رندان ز نازنین پسریست　　کہ سر بزانوئے زاہد بہ بوریا خفتست
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز　　گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست
غمست لشکرِ شبخوں زناں بہ بنگہِ خلق　　عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفتست
دلم بسبحہ و سجّادہ و ردا لرزد　　کہ دزد مرحلہ بیدار و پارسا خفتست
درازیِ شب و بیداریِ من اینہمہ نیست　　ز بختِ من خبر آرید تا کجا خفتست
ببین ز دور و مجو قربِ شہ کہ منظر را　　دریچہ باز و بدروازہ اژدہا خفتست
براہ خفتنِ من ہر کہ بنگرد داند　　کہ میرِ قافلہ در کارواں سرا خفتست
دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ؟　　مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست

بخواب چوں خودم آسودہ دل مدان غالبؔ
کہ خستہ غرقہ بخوں خفتہ است تا خفتست

بمرگِ من کہ پس از من ز مرگِ من یاد آر　　بکوئے خویشتن آں نعشِ بے کفن یاد آر
من آں نیم کہ ز مرگم جہاں بہم نخورد　　فغانِ زاہد و فریادِ برہمن یاد آر
بہ بام و در ز ہجوم جوان و پیر بگوے　　بکوے و برزن اندوہِ مرد و زن یاد آر
بساز نالہ گر دستے ز اہلِ دل دریاب　　بہ بندِ مرثیہ جمعے ز اہلِ فن یاد آر
بخود شمار وفاہاے من ز مردم پرس　　بمن حسابِ جفاہاے خویشتن یاد آر
چہ دید جانِ من از چشمِ پُرخمار بگو　　چہ رفت بر سرم از زلفِ پُرشکن یاد آر
بسنج تا ز تو بر من بداں محل چہ گذشت　　نخواندہ آمدنِ من در انجمن یاد آر

آتشے از دودِ گلہائے بہار افروختہ　　شعلہ در جانِ مرغِ صبح‌خواں انداختہ
بر ہمیں آبِ آتش زردشت نتواں سر کرد　　کعبہ را چوں نے بہشت آمنا دواں انداختہ
بدیں الماس نتواں ایں چنیں دُر دانہ سفت　　رخنہ از اسلام در کیشِ مغاں انداختہ
دریں صورت ز چشمِ دشمناں پنہاں بود　　دوست را اندر طلسمِ امتحاں انداختہ
علاجِ خستگی آسائش دیگر دہد　　خارہا در رہ گزارِ میہماں انداختہ

مے سرایم نغمۂ توحید و شور ایں نوا
چوں نسیم سوراخہا در استخواں انداختہ　　[illegible] ۱۹۲۱

ترکیب بند

در حریم کرمہ برادر شبستاں دیدہ ام　　شب‌نشیناں [illegible] دیدہ ام
ما خلوتخانۂ روحانیاں کانجا اندر دور　　[illegible] دیدہ ام
فارغ ز غیر و سر یکے نازاں بخویشتن　　[illegible] وحشت [illegible] دیدہ ام
اے ناداں بہوائی نرسندی دل کہ من　　[illegible] دیدہ ام
[illegible] باغ و مرغاں را بباغ　　[illegible] دیدہ ام
[illegible] نکہت گل دم ز گردش نامدہ　　نامۂ فیض صبح بنوشتہ [illegible] دیدہ ام
باد سحرگاہی بہ جنبش نامدہ　　طرۂ سنبل پریشاں [illegible] دیدہ ام

خواہش ازیں گروہِ پری چہرہ ننگ نیست — از چشم غمزہ وز شکنِ طرّہ تاب خواہ
از راز ہا حکایتِ ذوقِ نگاہ گوئے — از کارہا کشائشِ بندِ نقاب خواہ
ہرچند خواستن نہ سزاوارِ شانِ تُست — قوّت بطالع و نظر از آفتاب خواہ
در برگ و ساز گوئے نشاط از بہار بر — در بذل وجود سبقتِ خویش از سحاب خواہ
از شمعِ طور خلوتِ خود را بساط ساز — از ماہِ نو جنیبتِ خود را رکاب خواہ

غالبؔ قصیدہ را بشمارِ غزل درآر
ور نیست بریں غزل رقمِ انتخاب خواہ

نغمۂ توحید

اے ز وہمِ غیر غوغا در جہاں انداختہ — گفتہ خود حرفے و خود را در گماں انداختہ
دیدہ بیروں و دروں از خویشتن پروانگیے — پردہ از رسمِ پرستش درمیاں انداختہ
نقش بر خاتم ز حرفِ بے صدا انگیختہ — شور در عالم ز حسنِ بے نشاں انداختہ
چرخ را در قالبِ ابداع دوّار ریختہ — خاک را بر نطعِ پیدائی ستاں انداختہ
عاشقاں در موقفِ دار و رسن وا داشتہ — غازیاں در معرضِ تیغ و سناں انداختہ
غم چو گیرد سخت نتواں شکوہ از دلدار کرد — بہرِ آسانی اساسِ آسماں انداختہ
گُل چو ماند دیر گردد بر دلش بازار سرد — بہرِ تجدیدِ طرب طرحِ خزاں انداختہ

پنج فرزندم ز تموز و کلبه دور افتد چار سو است
بیع بود سرمایه از کف تا خریداری رسد

راحت ما را ز بیرنگی برات آورده اند
بت پرستان را اسلام ز نقش دیواری رسد

دانش آن باشد که چشم دل بحق بینا شود
نے گمان باطلی کز وہم و پنداری رسد

نور دل حل طوبیٰ بود گرچه در خرگاهِ خویش
هرکس فروزد چراغے چوں شب تاری رسد

از دم بادِ سحرگاہی بدل آسایش ولے
جاں فزاتر باشد آں کز یار همدم یاری رسد

خوش بود در بوزهٔ فیضِ الٰهی از علیؑ
گرچه از هر در نصیب خستگاری رسد

هند دانم گر دهندم طیلسانِ مشتری
تازه گردم از ردائے خواجه زرتاری رسد

عاشقم لیکن ندانی کز خرد بیگانه ام
هوشیارم با خدا و با علیؑ دیوانه ام

ق
۱۸/۱۴ء

مکافاتِ عمل

هست از تمیز گربه همان استخوان دهد
آئینِ دهر نیست که کس را زیاں دهد

مرد ستم هر چه کند بے خطا کند
را دست راز هر چه دهد رنگ آں دهد

گلزار را اگر نه ثمر گل بهم نهد
دروش را اگر نه ترنج تابه نان دهد

گنج سخن نهد به نهاں خانهٔ ضمیر
وانگه کلیدِ گنج بدستِ بیاں دهد

تا روز خاک تیره نگردد زر شکسته چه رخ
رخشانی ستاره بزیب سماں دهد

باد سر مستانه می جنبید و شبنم می چکید — غنچه را در رخت خواب آلوده دامان دیده‌ام
صبح اوّل گو برو‌ے کس نیاورد از حیا — صبح ثانی را برین هنگامه خندان دیده‌ام

محرم راز نهان روزگارم کرده اند
تا بحرفم گوش ننهد خلق خوارم کرده اند

روشناس چرخ در جمع اسیرانش منم — نور چشم روزن دیوار زندانش منم
ثابت و سیار گردون را رصد بستم بعلم — رشتهٔ تسبیح گوهرهائے غلطانش منم
نے ز دانش کامیاب نے ز بسنجی تنگدل — شرمسار کوشش بر جبین دیوانش منم
در لئیمی شهرهٔ دهر از تهیدستیست چرخ — رفته مسکین را ز یاد و گنج پنهانش منم
تیر نازد گر به ادریسی بخاک اندازمش — زهره نازد گر به بلقیسی سلیمانش منم
کعبه با من از مروت عذر خواه پائے ریش — وز ادب شرمندهٔ خار مغیلانش منم
در غریبی خویش را از غصه در دل میخلم — خورده ام از شست غم تیر یکه پیکانش منم
نوش چون راه لبم گیرد ادا نهمش نیم — نیش چون مغز دلم کاود زباندانش منم
مانده ام تنها بکنج از دور باش پاس وضع — خانهٔ وارم که پندارند دربانش منم

پایهٔ من جز بچشم من نیاید در نظر
از بلندی اخترم روشن نیاید در نظر

مرد نبود کز ستم بر خاطرش بارے رسد — هم ز خود در خجلم گر هم از دشمن آزارے رسد
در ره یارم ز رشک پائے ره پیمائے خود — خون فتد در دل ز زخمے کز سر خارے رسد

تنہاست حسینؑ ابن علیؑ در صفِ اعدا ‏ اکبرؑ تو کجا رفتی و عباسؑ کجائی
تو تیغِ شجاعت کہ ہمہ زخمِ خدا داشت ‏ از خونِ حسینؑ ابنِ علیؑ یافت روائی
فریاد ازاں حاملِ منشورِ امامت ‏ فریاد ازاں نسخۂ اسرارِ خدائی
فریاد ازاں زاری و خونابہ فشانی ‏ فریاد ازاں خواری و بے برگ و نوائی
فریاد ز بے چارگیِ خستہ درونی ‏ فریاد ز آوارگی و بے سر و پائی

غالب بگرے خوں کن و از دیدہ فرو بار
گر روئے شناسِ غمِ شاہِ شہدائی

معذرت

ردیفِ شعر ازاں کردم اختیار گرہ ‏ کہ از صفت بہ ابروئے شہریار گرہ
گرہ کشائے رموزِ خرد بہادر شاہ ‏ کہ پیشِ ناخنِ تدبیرِ اوست خوار گرہ
ایا شہنشہِ کشور کشائے دشمن بند ‏ ز بند در رخِ ابروئے او ہوادار گرہ
کہ چوں بدیں صفت اندر ضمیرِ من گذری ‏ بہ پیچ و تابِ قلم را دہد فشار گرہ
دلست تنگ ازاں رو کہ شود تند مباد ‏ شود ز سلک جدا در دلِ فگار گرہ
بدلکشائی گفتارِ من کہ غالب را ‏ مزن بہ رشتۂ امید زینہار گرہ
ازیں گرہ کہ بہ ابرو زدی بپا افتم ‏ نہد دلت رہِ صفا بہ دست یادگار گرہ

ہزار سال تو و جشن ہائے ہمایوں سال
بروئے ناصیہ بستہ ز نہ ہزار گرہ

تا آدمی ملال نگیرد ز یک ہوا — سر ماہ و نو بہار و تموز و خزاں را
ہم در بہار گل شگفاند چمن چمن — تا راحت مشام و نشاط روان را
ہم در تموز میوه فشاند طبق طبق — تا آرزوے کام و مراد دہاں را
آں را کہ بخت دسترس بذل مال نیست — طبع سخن رس و خرد خرده داں را
آں را کہ طالع کف گنجینہ پاش نیست
نعم البدل ز خامۂ پروین فشاں دہد — ق سنہ ۱۸۴۱

نوحہ

وقتست کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی — سوزد نفس نوحہ گر از تلخ نوائی
وقتست کہ در سینہ زنی آل عبا را — سر تیره خلائق شود و رنگ ہوائی
وقتست کہ جبریل ز بے مایگی درد — غم را ز دل فاطمہ خواہد بہ گدائی
وقتست کہ آں دگیاں تیره تعظیم — ق — بر در گہ شاں کرده فلک ناصیہ سائی
از خیمہ آتش زده عریاں بدر آیند — چوں شعلہ دخاں بر سر شاں کرده ردائی
جانہا ہمہ افسردهٔ تشویش اسیری — دلہا ہمہ خوں کشتۂ اندوه رہائی
اے چرخ چو آں شد دگر از بہر چہ گردی — اے خاک چو ایں شد دگرا سوده چرائی
خوں گرد و فرو در بزا گر صاحب جگری
بر خیز و بجوں غلط گر از اہل وفائی

همچو شاهی که تحاشی نزند اندر آغوش — خامه در دست من از ناز فغانی دارد
در بازمزمه مرده دلان بوالعجبیست — موج گوهر جوئی دران تن کرد فغانی دارد

مرثیهٔ شاهزاده

ای دل بچشم زخم حوادث نگار شو — ای چشم از تراوش دل اشکبار شو
ای خون بدیده در دل گداز جگر فرست — ای دم بسینه دود چراغ مزار شو
ای لب بنوحه ناله جانکاه ساز ده — ای سر نهفته خاک سر رهگذار شو
ای خاک چرخ گر نتوان زد بچادر آسے — ای تربت خاک گر نتوان شو غبار شو
ای نوبهار چون تن بسمل بخون بغلط — ای روزگار چون شب بی ماه تار شو
ای ماهتاب رخ به سیلی کبود کن — ای آفتاب داغ دل روزگار شو
ای فتنه باد صبح وزید اینقدر مخسپ — ای رستخیز وقت رسید آشکار شو

آه این چه سیل بود که ما را ز سر گذشت
تنها ز سر نه بلکه ز دیوار و در گذشت

بگذر که بر من و تو جفا کرد روزگار — با پادشاه عهد چها کرد روزگار
شاه سخن سرای سخنور نواز را — در بزم عیش نوحه سرا کرد روزگار
شاخی که بود موسم آنش که بر دهد — از نخل عمر شاه جدا کرد روزگار
مرگ اینچنین برخ و تن نازک ندیده بود — کام اجل بهدیه روا کرد روزگار

ازادب دُورم زخاقاں در نہ در اظہارِ قُرب
خطوہ دگامم تو گوئی میل و فرسنگ من ر

مقطع ایں قطعہ زیں مصرعِ مصرّع باد و بس
ہرچہ در گفتار فخرِ تُست آں ننگِ منست

ذوق و غالب

دہر گویند ندارد روشِ دانش و داد ‏ ‏ ‏ ‏ ہمہ دارد کہ چو غالب ہمہ دانے دارد
سخن از ہمدمیِ خامۂ نیسانی ہست ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ہر آئینہ چوں من شیرۂ یانے دارد
معنی از لفظ مُرادست سخنور نبود ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بآہنگ حزیں سازِ بیانے دارد
بسکہ ہر دم رود از زمزمۂ خویش خویش ‏ ‏ ‏ ‏ خواجہ داند کہ دلآویز نغانے دارد
مدح کمزروی گزافست شمار د انصاف ‏ ‏ ‏ ‏ باخود از خوبیِ گفتار گمانے دارد
رشئے خوش باید و تابِ کمر و طرزِ خرام ‏ ‏ ‏ ‏ نبرد دل زکف ار موئے میانے دارد
نطق تنہا نبود مشتقِ سخن را کافی ‏ ‏ ‏ ‏ سخن این ست کہ ایں تیر کمانے دارد
ہم ازیں جاست کہ دانا دلِ شیراز سرود ‏ ‏ ‏ ‏ بندہ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد
درم گرمی کہ بمن دادہ بہر کس ندہند ‏ ‏ ‏ ‏ گفتہ باشد سخنے ہر کہ زبانے دارد
خشم را بہ سخن تیز کند تاب نمیند ‏ ‏ ‏ ‏ تیغم از گردشِ پیمانہ فسانے دارد

با گلرخان دهر [illegible]   [illegible]
با جوان [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

داد کو [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
با [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
تا [illegible]   [illegible]
[illegible]   [illegible]
وانکه [illegible]   [illegible]

شهزاده خرد سال چو بود روزگار پیر — شد تیغ شاهزاده جهانگیر روزگار
فرزند پادشه شد شناسنده تا اثر — آموزشش نمود بهر چه که داد روزگار
آمد آن زمان که تاکید شه پادشاه — تا جشن آمد خوش کشور روزگار

هر چند سلطه اجل شاهزاده را ببرد
آتش بجز دل بنهاد که شرح ندارد شمار

ای قوم خویش را لشکر جیبیه امتحان کنید — این کار را الشتبه از کار آگهان کنید
از غفلت شاهزاده دوران سخن آزمیده — منعش ز عزم رهروی آگهان کنید
از میوه گل آنچه دلش خواهد آورید — از بهر آنچه بهر شما باشد آن کنید
هر حرف دلنشین که بگوئید خوش شود — آن گفته را بعد ازین نظر آن کنید
ورخود ز نقش معتوانید باز داشتن — تجویز بد ز پاس رعیت فغان کنید
گیرید دشمن در کمین و هم به تکبیر زنید — تا آستانه را دست عزت خونچکان کنید
زنهار پیش شاه مگوئید دیگر خبر — تا آسمان را که باشید ... کنید

ای اهل شهر دیگر فلان ببرد داد کجاست
خاکم بفرق خواب کار خسروان کجاست

ای رهنورد عالم بالا چگونه ای — ما بی تو در ... چگونه ای
از سایه در غم تو سیه پوش شد هما — ای شفته در نشیمن عنقا چگونه ای
زان پس که با تو آشنا شد جهان نشا — در روضه جنان تو شیدا چگونه ای

[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] باده [illegible] | [illegible]
چو گفتم [illegible] | [illegible]
بسیار روزگارها [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
بهاران [illegible] | [illegible]
جهان از گل و لاله [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
اگر [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible]

درآب و درآتش بسر برده‌ام — ز دشوار سختی ز بیستن مرده‌ام
بجستم که پیدا کنی جای من — تپیده سه روز و رباید و ام شانمن
دوشیزه تو از و منم پای من — بسنجید بگذارد کم و ار من
نگه دار سنجی همی فراسته تن — گر انبار سته ور ده نگر هم بسنج
اگر دیگران را بگفتا و کرد — مرا بایه نگه بست و درد
دگر همچنین است فرجام کار — کسی باید از کردم بدانی شمار
مرا نیز با مای گفتار ده — بگو کم بدان گفتن ز نهار ده
درین خستگی پوزشش از من مجو — بود بند خسته گستاخ گو
دل از خسته خون شد نهفتن چه سود — چو نا گفته دانی نه گفتن چه بود
زبان گرچه سخن دانم ام بسته — بر آن ستم آنچه گفتم بازتست
همانا تو دانی که کاستم نیم — پر آستار خورشید و آورنیم
نگاشتم کسی را با مهر بینی — نه هم نه کس باید در رهزنی
نگه گشته که آتش نگه دیم اروست — چنگا پر داز صد هم اندوست
من اندهگین دست اندر ربا — چه سیکی و هم است بندم پرورشا
حساب سه رامش زرنگ نیست — زخورشید و مهر هم در بدو بزچیست
که انباده تا چهره افروختند — دل دشمن و چشم بد سوختند
نه از من که از تاب مه گاه گاه — بدر بیوزه رخ کردم با چشم سیاه

نعت

محمد کز آئینهٔ روئے دوست — جز آنش ندانست دانا که اوست
زہے روشن آئینهٔ ایزدی — که در وے نگنجیده زنگِ خودی
ز رازِ نہان پردہ برزده — ز ذاتِ خدا معجزے سرزده
تمنائے دیرینهٔ کردگار — بوے ایزد از خویش امیدوار
بہر جام از و تشنهٔ جرعه خواه — بہر گام از و معجزے سر براه
دل امید جائے زیان دیدگان — نظر قبله گاهِ جہان دیدگان
برفتار صحرا گلستان کنے — بگفتار کافر مسلمان کنے
بدنیا ز دین روشنائی دہے — به عقبیٰ ز آتش رہائی دہے
بخوئے خوش اندوه کاهِ ہمہ — بآمرزش امیدگاهِ ہمہ
ز بیت بندگی مردم آزاد کن — جہانے بیک خانه آباد کن
ز خونیکه در کربلا شد سبیل — ادا کرد وامِ زبانِ خلیل

معراج

قدم زد بجائے که رفتن نداشت — نگہبان و ہمراه و رہزن نداشت
در آنجا که از رفتے فرسنگ ہائے — بجا باشد از خود نگو بیند جائے

چوں زاں غمزۂ نیشے بدل برخورد — رگِ جاں غمِ نوکِ نشتر خورد
چوں آں نامرادی بیاد آیدم
بفردوس ہم دل نیاسایدم

بہشت

صبوحی خورم گر ز شرابِ طہور — کجا زہرۂ صبح و جامِ بلور
دمِ شب رویہائے مستانہ کو — بہنگامہ غوغائے مستانہ کو
دراں پاک میخانۂ بے خروش — چہ گنجائشِ شورشِ نائے و نوش
سیہ مستیٔ ابر و باراں کجا — خزاں چوں نباشد بہاراں کجا
اگر حور در دل خیالش کہ چہ — غمِ ہجر و ذوقِ وصالش کہ چہ
چہ منت نہد ناشناسا نگار — چہ لذت دہد وصلِ بے انتظار
گریزد دمِ بوسہ انیش کجا — فریبد فسوگند و نیش کجا
بود حکم و نہ بود لبش تلخ گو — دہد کام و نبود دلش کامجو
نظر بازی و ذوقِ دیدار کو — بفردوس روزن بدیوار کو
نہ چشم آرزومندِ دلّالۂ — نہ دل تشنۂ ماہ پرکالہ
ازینہا کہ پیوستہ مہجوراست دل
ہنوزم ہماں حسرت آلاست دل

غالب کی تحریر

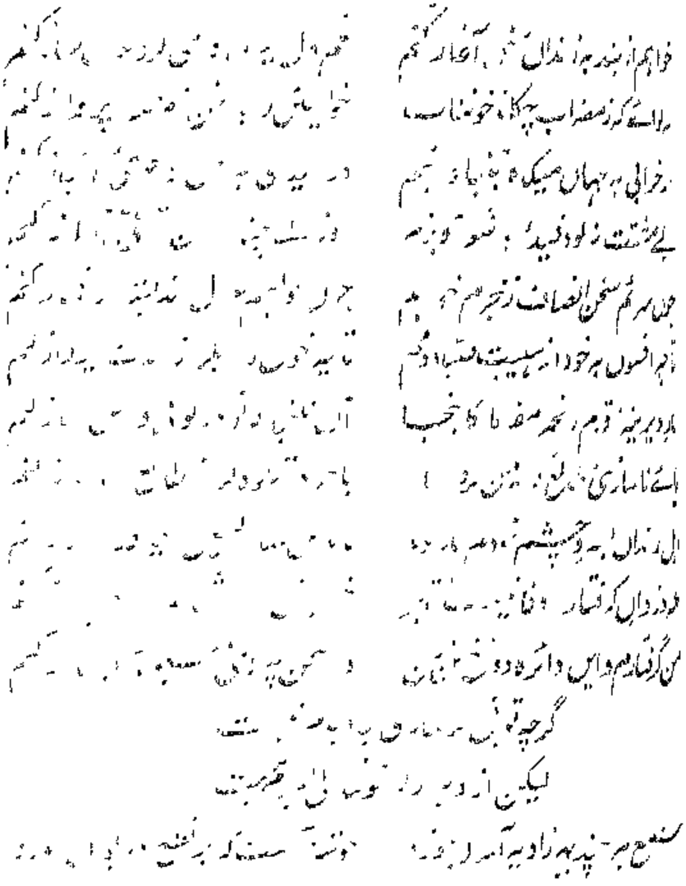

جهت را و جسم خود نمانی نماند　　زمان و مکان را روانی نماند

نشان از نظر شد ز ذره ناپدید　　سراپای خود بشنید و شد جمله دید

در آورد بی کلفت سمت سوی　　بیکسو السموات والارض شوی

تماشا بلاکیف حسن ازل بسیط　　فروغ نظر صورت زان محیط

شنیدن شد پدید کلام منکشف　　منزه ز آمیزش صوت و حرف

کلامی به بی رنگی ذات علم　　شنیدن بشکل اندر آیات علم

نخستین در از لا کشودن رواق　　ز الا بهمه اندرش پیش طاق

بر الا رسید و ز لا در گذشت　　رسیدن ز پیوند جان در گذشت

دران خلوت آباد راز و نیاز　　بروی دوئی بود چون در فراز

نماند اندر احمد ز میم اثر　　که آن حلقه بود بیرون در

احد جلوه گر با شنیدن صفات　　شد از خود بخود با صفات عین ذات

دو عالم خروش نوای راز　　ولیکن همان در خم پرده ساز

ورق در ورق نکته دلپذیر　　ولیکن همان در خیال ...

ز گفتن شنیدن جدائی نداشت　　نه دیدن ز دیدن جدائی نداشت

چو اندازه سر بیانش گرفت　　ز وحدت بکثرت گرایش گرفت

بحکم تقاضای حب ظهور　　تنزل در اندیشه آمد ز دور

احد کسوت احمدی یافته

عارض خاک بپاشیدن خون بازد کنید — [illegible]

چون من آیم بتماشا گله گرد دل روا ست — [illegible]

هان عزیزان کردیم کلبه تا مست دارید — [illegible]

تا بدروازهٔ زندان پی آوردن من — [illegible]

چون سخن سنجی و فرزانگی آئین من است — [illegible]

بخود از شوق ببالید که خود باز رسید — [illegible]

بسکه خوشحال شود ... [illegible]

غنچه نشگفته ... [illegible]

آنچه فرداست هم امروز در آمد گوئی — [illegible] آمد گوئی

دل و دست ... [illegible] — [illegible] آمد گوئی

سرگذشتم همه ... [illegible] — [illegible]

بهرهٔ اهل جهان چون ز جهان ... است — [illegible]

خستن و بستن ... نیست به — [illegible]

هنرم را ... کرد ... — [illegible]

غم دل داشتم اینک غم ... — [illegible]

چرخ یک عمر ... زندان ... — [illegible]

مژده ... [illegible] — [illegible]

دو چراغ ... [illegible] — [illegible]

عودِ من هیزمِ و مسوز بد دگر سوختنی ست — بگذارید که در مجمرِ سلطاں سوزد
خانه ام ز آتشِ بیداد عدو سوخت دریغ — سوختن داشتت ز شمعیکه شبستاں سوزد
منم آں خسته که گر زخم جگر بنمایم — برمن از مهر دلِ گبر و مسلماں سوزد
منم آں سوخته خرمن که ز افسانهٔ من — نفسِ رهرو و رهزن و دهقاں سوزد
منم آں قیس که گر سوے من آید لیلیٰ — محمل از شعلهٔ آوازِ حدی خواں سوزد
تا چسانم گزرد روز، به شبها دریاب — از چراغے که عسس بر درِ زنداں سوزد
تنم اندر بند در انبوهِ رقیباں لرزد — دلم از درد بر اندوهِ اسیراں سوزد
از نمِ دیدهٔ من فتنهٔ طوفاں خیزد — از تفِ نالهٔ من جوهرِ کیواں سوزد
آه ازیں خانه که روشن نشود در شبِ تار — جز بداں خواب که در چشمِ نگهباں سوزد
آه ازیں خانه که در وے نتواں یافت هوا — جز سمومے که خس و خارِ بیاباں سوزد

اے که در زاویه شبها بچراغم شمری
دلم از سینه بروں آر که داغم شمری

پاسباناں همه آئید که من مے آیم — درِ زنداں بگشائید که من مے آیم
هر که دیدے بدرِ خویش سپاسم گفتے — خیر مقدم بسرائید که من مے آیم
جاده نشناسم و نز انبوهِ تماشے ترسم — راهم از دور نمائید که من مے آیم
رهروِ جادهٔ تسلیم درشتی نه کنند — سخت گیرنده چرائید که من مے آیم
خسته تن در ره و تعذیب ضرر دست اینجا — نمک آرید و بسائید که من مے آیم

زین دو رنگی آمد عهد رنگ خرابی نظیر   کاش پیوسته که از بخت دو رنگم نبود

راز دانا غم رسوائی جاوید بلاست   بهر آن از غم از قسمت فرنگم نبود

لرزد از خوف درین حجره که از خشت گل است   ور نه در دل خطر از کام نهنگم نبود

منم آئینه و این جاده زنگ است و بس   تاب بیتابی آلایش زنگم نبود

همه با وا در دم امید رهائی در بند   دامن از ابجد رهائی ته سنگم نبود

جو بر اعدا رود از دل به رهائی لیکن   الحق حجاب ملم از زخم خدنگم نبود

به نگاه قلم از سینه برند می برجم   گنجائی غم در دل تنگم نبود

حاش لله که درین سلسله پا شکسته نبود   جانم چون مرا این رشته جنگم نبود

بعد ازین قافیه خویش بود مستی من

اندرین پند گران باب و سبکدستی من

همدمان در وطن از دیده نهانید همه   غالب خسته دوا را که دوانید همه

لله الحمد که در عیش و نشانید همه   لله الشکر که با شوکت و سامانید همه

هم در آئین نطق سحر طرازید همه   هم در اقلیم سخن سنج و نشانید همه

چشم بد دور که فرخنده و ... همه   ست و با شید که فرخ که ... همه

شود بیند و فا دیده و نو ... همه   زنده باشید که شفا و ... همه

من بخون خفته و بزم همه ... همه   من نحیف سته و دانم همه دانید همه

در میان ضابطه مهر و وفا بود نخست   من به ... آئینه ... همه

خواجہ ہست دریں شہر کہ از پرسش وے ‏ ‏ ‏ پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفیٰ خان کہ دریں واقعہ غمخوار من است

گر بمیرم چہ غمم از مرگ عزادار من است

خواجہ دانم کہ بسے روز نمانم دربند ‏ ‏ ‏ لیک دانی کہ شب از روز ندانم دربند

نہ پسندم کہ کس آید نتوانم کہ روم ‏ ‏ ‏ جانب در بہ چہ حسرت نگرانم دربند

خستہ ام خستہ من و دعوی تمکیں حاشا ‏ ‏ ‏ بند سخت است تپیدن نتوانم دربند

شادم از بند کہ از بند معاش آزادم ‏ ‏ ‏ از کف شحنہ رسد جامہ و نانم دربند

نامہ و خامہ بیارید و سجل بنویسید ‏ ‏ ‏ خواب از بخت ہمی وام ستانم دربند

یارب ایں گوہر معنی کہ فشانم ز کجاست ‏ ‏ ‏ بند بر دل بود و نیست زبانم دربند

ہر کس از بند گراں نالد و ناکس کہ منم ‏ ‏ ‏ نالم از خویش کہ بر خویش گرانم دربند

خوئے خوش بہ مصیبت زدہ رنجے دگر است ‏ ‏ ‏ رنجہ از دیدن رنج دگرانم دربند

رفتہ در بارۂ من حکم کہ با درد و دریغ ‏ ‏ ‏ شش مہ از عمر گرامی گذرانم دربند

اگر این است خود آنست کہ عید اضحیٰ ‏ ‏ ‏ گذرد نیز چو عید رمضانم دربند

مدت قید اگر در نظرم نیست چرا ‏ ‏ ‏ خون دل از فقرہ بے صرفہ چکانم دربند

نیستم طفل کہ در بند رہائی باشم

ہم ز ذوق ست کہ در سلسلہ خائی باشم

من نہ آنم کہ ازیں سلسلہ ننگم نبود ‏ ‏ ‏ چکنم چوں تقضا زہرۂ جنگم نبود

مور را بارگیر نپذیرم هم — بستهٔ راه پیمایان نمی‌خواهم
بهر خویش از زمانه خر آر — راسپی جاودان نمی‌خواهم
آتش اندر نهاد من زده اند — زلّه و ارغوان نمی‌خواهم
هان دهان تشنهٔ محال طلب — تو بهار خزان نمی‌خواهم
گه افشانم و به سالطلبم — سیم و زر رایگان نمی‌خواهم
نان خورش زانگبین نمی‌جویم — پیه جز از کتان نمی‌خواهم
بالش از مخملم تمنّا نیست — لیته از پرنیان نمی‌خواهم
نه هماسایه ام نه رنگ طلبست — طعمه از استخوان نمی‌خواهم
دل ز معنی لبالب است ولے — خامه اندر بنان نمی‌خواهم
نتوان شد طرف بمور و کس — انگبین و دکان نمی‌خواهم
نتوان کرد با فلک پرخاش — تیر خورده دوال نمی‌خواهم
خسته چشم زخم خویشتنم — ناوکے بر نشان نمی‌خواهم
جامه و جام زیبا شد آلوده است — تن [illegible] میهمان نمی‌خواهم
جا به احباب تنگ نتوان کرد — [illegible] جهان نمی‌خواهم
خویش بیداد کرده ام غالب — همسر از شیروان نمی‌خواهم
با صلیبم نشاند کار بدهر — [illegible] دیان نمی‌خواهم
هان مگوئی که با چنین خواری — ترک هندوستان نمی‌خواهم

روزے از مہر نگفتید فلانے چون است　　بارے از لطف بگوئید چسانید ہمہ
گر نباشم بجہاں خار رہے کم گیرید　　اینکہ سرو و سمن باغ جہانید ہمہ
چارہ گر نتواں کرد دعائے کافیست　　دل اگر نیست خداوند زبانید ہمہ
ہفت بند است کہ در بند رقم ساختہ‌ام　　بنویسید و بہ بینید و بخوانید ہمہ

آں نباشم کہ بہ بزم زمن یاد آید
دارم امید کہ در بزم سخن یاد آرید

مزارِ آرزو

از نکوئی نشاں نمے خواہم　　خویش را بدگماں نمے خواہم
زیست بے ذوقِ مرگ خوش نبود　　دل اگر رفت جاں نمے خواہم
باغبانم گرفت و خست و گذاشت　　جز بباغ آشیاں نمے خواہم
کس نمے نالد از فغانِ من　　دردِ دل را بیاں نمے خواہم
ہیچ کس سودِ من نمے خواہد　　ہیچ کس را زیاں نمے خواہم
ہر یکے دشمنیست دوست نما　　یاری از راختگاں نمے خواہم
آرزو عیب نیست خورده مگیر　　ہمہ را آنچناں نمے خواہم
رنج صاحبدلاں روا نبود　　سندِ اہلِ زباں نمے خواہم
دوشہا را فگار نہ پسندم　　بار بار گراں نمے خواہم

قندِ پارسی

ہا پری شیوہ غزالانِ ز رمیدن رم شاں — دلِ مردم بہ خمِ طرۂ خم در خم شاں
کافر انند جہاں جوئے کہ ہرگز نبود — طرۂ حور دلآویز تر از پیچ خم شاں
آشکارا کش و بدنام و نکو نامی جوئے — آہ ازیں طائفہ و آنکس کہ بود محرم شاں
رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم — نہ بر آسودہ دلان حرم و زمزم شاں
بگزر از خستہ دلانے کہ ندانی بشمار — خستگانند کہ داری و نداری غم شاں
اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم — چہ بما منتِ بسیار نہی از قلم شاں
ہند را خوش نفسانند سخنور کہ بود — باد در خلوتِ شاں مشک فشاں از دم شاں
مومن و نیر و صہبائی و علوی و انگاہ — حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شاں

غالبِ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بہ شمار
ہست در بزمِ سخن ہمنفس و ہمدم شاں

سحرِ حلال

زخمہ بر تارِ رگِ جاں میزنم — کس چہ داند تا چہ دستاں میزنم
زخمہ بر تارم پریشاں میرود — کایں نوا ہاے پریشاں میزنم
چوں ندیدم کہ نوایش خوں چکد — طعنہ بر مرغِ سحر خواں میزنم

هان ندانی که در نظرگهِ خویش   زمزم و ناودان نمی‌خواهم
هان ندانی که صدرِ یثرب را   سجده بر آستان نمی‌خواهم
خواهشی چند می‌کنم لیکن   کارها را روان نمی‌خواهم
پای فرسوده در رکابست و هنوز   دستِ خود بر عنان نمی‌خواهم
سخن از عالمِ دگر دارم   همدم و رازدان نمی‌خواهم
گر بود خود سروشِ وحی سرای   با خودش همزبان نمی‌خواهم
سینه صافم قلندرم هستم   رازِ خود را نهان نمی‌خواهم
پایهٔ من فروتر افتاد است   سرِ خود بر سنان نمی‌خواهم
پایهٔ در نظر نماند دگر   خویشتن را نشان نمی‌خواهم
یوسف از مصر گشته خوشدل من   به تلافی جنان نمی‌خواهم
به زلیخا شباب بخشیدند   بختِ خود را جوان نمی‌خواهم
بر رُخِ حکمتِ موجهٔ حق   غازهٔ امتحان نمی‌خواهم
علتِ من هر چه اقتضا میکرد   خواستم غیر آن نمی‌خواهم
چون حکایت بجای خویش رسید   تن زدم داستان نمی‌خواهم

ق ۱۸۵۲

یہ قصیدہ مطبوعہ دیوان (۱۸۴۵) اور رام پور کے قلمی نسخہ میں نہیں ہیں لیکن اس کا ایک شعر مہر نیمروز (۱۸۵۲ء) میں نقل ہوا ہے۔ داخلی شہادت کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ یہ زمانہ قید کی تصنیف ہے ۔

در ترقی مے نگنجد گفتگو — در تنزل دم ز تسخیر فناں میزنم
مے ستیزم با قضا اندر دیار — خویش را بر تیغ عریاں میزنم
لعب با شمشیر و خنجر مے کنم — بوسہ بر ساطور و پیکاں میزنم
بر خرام زہرہ و رفتار تیر — چشمکے دارم کہ پنہاں میزنم
گہ گہے گز پایہ مے آیم فرود — حرف با بہرام و کیواں میزنم
میبرد از من قضا چنداں کہ من — گوئے گردوں را بہ چوگاں میزنم
آں ہمائے تیز پروازم کہ بال — در ہوائے شش طرفاں میزنم

حسنِ تغزل

دل برد و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت — بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت
در رزمگہش ناچخ و خنجر نتواں برد — در بزمگہش بادہ و ساغر نتواں گفت
بخشندگی ساعد و گردن نتواں جست — زیبندگی یارہ و پیکر نتواں گفت
پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند — ہموارہ ترا شیفتہ و آں نتواں گفت
از حوصلہ یاری طلب صاعقہ تیز است — پروانہ شو اینجا ز سمندر نتواں گفت
ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز تظلم — گر خود ستمے رفت بہ محشر نتواں گفت
در گرم روی سایہ و سرچشمہ نجوئیم — با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت
آں راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است — بر دار تواں گفت و بہ منبر نتواں گفت

نامہ ہمرازِ دلم گر ہم تن است — آتش از نے در نیستاں میزنم
جلوۂ تیر از سنگ اشان الٰہی ست — بہرِ گوہر تیشہ بر کاں میزنم
دیگراں گر تیشہ بر کاں میزنند — من شبیخوں بر بدخشاں میزنم
گر بہر اندر دل نشاطے دیگر است — خندہ بر لبہائے خنداں میزنم
بار شوقم در خروش آوردہ است — باز ہوئے ہمچو مستاں میزنم
دی بہ یغما دادہ ام رخت و متاع — امشب آذر در شبستاں میزنم
در جنوں بیکار نتواں زیستن — آتشِ تیز است و داماں میزنم
خار خارِ چاکِ دیگر داشتم — بخیہ بر چاکِ گریباں میزنم
بندِ ہر خواہش ز دل مے بگسلم — نقشِ ہر صورت بعنواں میزنم
در رہ اند رہزنِ خطرہا گفتہ اند — گامہ در ہر راہِ آساں میزنم
رازداں خوئے دیرم کردہ اند — خندہ بر دانا و ناداں میزنم
در خراباتم ندیدی مستِ خراب — بادہ پنداری کہ پنہاں میزنم
خوئے آدم دارم آدم زادہ ام — آشکارا دم ز عصیاں میزنم
بادہ در ابرِ بہاراں میزدم — حالیا در تیرِ باراں میزنم
طعنہ بر ذوقِ مے آلودم مزن — نیست ساغر مے بہ تنگاں میزنم
عالمم از مے پرستی نگذرم — غوطہ در گردابِ طوفاں میزنم
تو در ینجا بینی و من خود مپوز — جامِ مے در بزمِ اعیاں میزنم

که با من چه در صحبت پستی حرف دین گوید — نه از کفت دانم که ز صورت آفرین گوید
الم در کعبه از تنگی گرفت آواره خواهم — که با من سرنوشت بتخانه هائے سند چین گوید
ننم تا مرا میگوید و از لطف گفتارش — گمان دارم که حرف و لب نشینی بعد ازین گوید
چه دانند غالب را ازاں در زمره بے باید — که راز خلوت شه با گدائے ره نشین گوید

آتش افروخته و خلق به حیرت نگراں — ریخته دوده که به هنگامه بهم بنماییم

سرشک افشانی چشم ترش بین م شه خوباں و گنج گوهرش بین
ادائے دلستانی رفته از یاد م هوائے جانفشانی در سرش بین
صفائے تن فزوں تر کرده رسوا م دل از نابینئی اندر برش بین
بجا مانده عتاب و غمزه و ناز م متاع ناروائے کشورش بین
گذشت آں کز غم ما بے خبر بود م بخویش از خود بے پرواترش بین
برسم چاره جوئی پیش غالب م شکایت سنج چرخ و اخترش بین

نازم آں فتنه که در دشت بعنوانی قیس م لیلی از ناقه فرود آید و محمل بدرد

ایں گونه کساں چه آفرینی م است خالق آسمان و انجم!

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ ما را
مومن نہ بود غالب و کافر نتواں گفت

جرأت

آوارۂ غربت نتواں دید صنم را   خواہم کہ دگر بتکدہ سازند حرم را
چوں فاش شد آخر کہ ہم از خلق گرفتند   بے فائدہ از خلق نہفتند ارم را

گدائے ترک نژادم ز دودۂ سلجوق م فراخ تا نبود خوان نمے خورم ناں را
شود روانئے طبعم فزوں ز سختی دہر م بسنگ تیز تواں کرد تیغ براں را

گفتمش ذرہ بخورشید رسد گفت محال م گفتمش کوشش من در طلبش گفت رواست

اندراں روز کہ پرسش رود از ہر چہ گذشت م کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند
ارو رخسان خزاں دیدہ نیاشم کا ینہا م نازبرتا نہ گئے برگ و نوا نیز کنند
گفتہ باشی کہ ز ما خواہش بیداد خطاست م ایں خطائیست کہ در روز جزا نیز کنند

گر در طلب دوست بود پاے تو سست — [illegible]
ور خود باشی به جستجو تو چپا پاے درست — [illegible]
اخلاص به نسبت است و نسبت ازلیست — [illegible]
گر جذبه قوی فتاد و [illegible] — [illegible]

چنداں بے سر و ساماں بودن — [illegible]
[illegible] برجگر [illegible] است — [illegible]

این تیره زمیں که بودهٔ [illegible] — [illegible]
هر کس [illegible] دانسته ام — [illegible]

تو کجائی که به [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
جهانے دگر آباد شود — [illegible] آباد شود
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] غالب — [illegible]

قطعه

[illegible] — [illegible]
[illegible] باشی که [illegible] — [illegible]

رُباعیات

راہیست ز عہد تا حضورِ اللہ	خواہی تو دراز گیر و خواہی کوتہ
این کوثر و طوبیٰ کہ نشانہا دارد	سرچشمہ و سایہ ایست در نیمۂ رہ

زانجا کہ دلم بوہم در بند نبود	با ہیچ علاقہ سخت پیوند نبود
مقصودِ من از کعبہ و آہنگِ سفر	جز ترکِ دیار و زن و فرزند نبود

در بزمِ نشاط خستگاں را چہ نشاط	از عربدہ ہائے بستگاں را چہ نشاط
گر ابر شرابِ ناب بارد غالب	ما جام و سبو شکستگاں را چہ نشاط

در عالمِ بے زری کہ تلخ ست حیات	طاعت نتواں کرد بامیدِ نجات
اے کاش ز حق اشارتِ صوم و صلوٰۃ	بودے بوجودِ مال چوں حج و زکوٰۃ

بر قولِ تو اعتماد نتواں کردن	خود را بگزاف شاد نتواں کردن
از کثرتِ وعدہ ہائے پے در پے تو	یک وعدہ درست یاد نتواں کردن

یا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں مرے — طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر
رنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر — دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ہو کے بلالو مجھے چاہو جس وقت — میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
ں میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے — بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

ہم جو ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں — کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہرِ طرفِ کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا — ظاہراً کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
شوریدہ ہائے عشق و پاسِ آبرو — یک طرف سودا و یک سو منتِ دستار ہے
ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں — ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے
سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا — ہر کوئی واماندگی میں نالے سے ناچار ہے

گلبنِ ہندی

غزلیاتِ اردو

(۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۳ء تک)

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر
جلتا ہُوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
سرگرمِ نالہائے شرر بار دیکھ کر

کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا
رُکتا ہُوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے
مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہُوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے مَوج مے تری رفتار دیکھ کر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر

بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کیساتھ
لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر

زنّار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا مَیں
جی خوش ہُوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی — دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذتِ فراق — تکلیفِ پردہ داریِ زخمِ جگر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں — اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں — بارے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دلفریبیِ اندازِ نقشِ پا — موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی
ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا — مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
فردا و دی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا — کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

گر بزم میں وہ ناز سے گفتار میں آوے — جاں کالبدِ صورتِ دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر — تو اس قدِ دلکش سے جو گلزار میں آوے
تب نازِ گراں مایگیِ اشک بجا ہے — جب لختِ جگر دیدۂ خوں بار میں آوے
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر — [illegible]
[illegible] — [illegible]
کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب — [illegible]
مر جاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تنِ نازک — آغوشِ خمِ حلقۂ زنار میں آوے

ہے وہی بدمستیِ ہر ذرہ کا خود عذر خواہ   جس کے جلوے سے زمیں تا آسماں سرشار ہے
مجھ سے مت کہہ "تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی"   زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے
آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شورِ قیامت کس کے آب و گل میں ہے
ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

چکنی ڈلی

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے
حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے

مسی آلودہ سر انگشتِ حسیناں لکھیے
داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیماں کے مشابہ لکھیے
سرِ پستانِ پری زاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلا کہیے

حجر الاسود دیوارِ حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع میں اس کو اگر سمجھیے قافِ تریاق
رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ نماز
میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنج محبت لکھیے
کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے
کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلیٰ لکھیے
کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلمیٰ کہیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

تمت

[illegible]

غارتگرِ ناموس نہ ہو گر ہوسِ زر　　کیوں شاہدِ گل باغ سے بازار میں آوے
تب چاکِ گریباں کا مزہ ہے دلِ نالاں　　جب اک نفس الجھا ہوا ہر تار میں آوے
آتشکدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے　　اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے
گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے　　کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے
بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں　　مرحبا میں! کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے
کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے　　جانتا ہے محوِ پرسش ہائے پنہانی مجھے
میرے غمخانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی　　لکھ دیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے
بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے　　اس قدر ذوقِ نوائے مرغِ بستانی مجھے
وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا　　لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے　　تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے
ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ واہ!　　پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزل خوانی مجھے
دی مرے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی
میرزا یوسف ہے غالبؔ یوسفِ ثانی مجھے

غزلیات

(سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۸۴۷ء تک)

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہیں — ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر ان سے — کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو — جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں
دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے — اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود — قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے — خار رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں
اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائے گا کیا — آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
دیکھئے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں — اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا — پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں
ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز — نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی — آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

تنہائی کی وادی میں!

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

کلکتہ کی یاد

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں

اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے

وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب

وہ نازنیں بتان خود آرا کہ ہائے ہائے

صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ حف نظر

طاقت ربا وہ اُن کا اشارا کہ ہائے ہائے

وہ میوہ ہائے تازہ شیریں کہ واہ واہ!

وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے — ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں

وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے — جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے — جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب چھٹی شراب، پر اب بھی کبھی کبھی
پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں — یہ سوءِ ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع؟ — گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے — نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اتنا ہی مجھکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے — جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہے مشتمل نمودِ صُوَر پر وجودِ بحر — یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی — ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز — پیشِ نظر ہے آئنہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود — ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

ہر چند جاں گدازیِ قہر و عتاب ہے — ہر چند پشتِ گرمیِ تاب و تواں نہیں
جاں مطربِ ترانۂ ہَل مِن مزید ہے — لب پردہ سنجِ زمزمۂ الاماں نہیں
خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم — دل میں چھری چبھو مژہ گر خونچکاں نہیں
ہے ننگِ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو — ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب — سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں — گویا جبیں پہ سجدۂ بُت کا نشاں نہیں
پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے سخن کی میں — رُوح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی
غالبؔ کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں — کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں — شب ہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں
تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر — آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں — میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟ — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
جو منکرِ وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے — کیوں بدگماں ہوں دوست سے دشمن کے باب میں
میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے — ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں
میں اور حظِ وصل، خدا ساز بات ہے — جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

منہ دکھلا دے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

ق ۱۸۹۱

غزلِ مشاعرہ

امن ہے بیدادِ دوست جاں کے لئے — رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لئے
ے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے — رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کے لئے
وہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر — نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے
یں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک — بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لئے
نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں — درازدستیٔ قاتل کے امتحاں کے لئے
یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر — کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے
کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے
وق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے
خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے — بنا ہے عیشِ تجمل حسین خاں کے لئے
بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا — کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے
ت و دیں اور معینِ ملت و ملک — بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستاں کے لئے

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیمتن کے پاؤں
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

دی سادگی سے جان پڑوں کوہکن کے پاؤں
ہیہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پاؤں

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دُور دُور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پاؤں

بیچارہ کتنی دُور سے آیا ہے شیخ جی
کعبے میں کیوں دبائیں نہ ہم برہمن کے پاؤں

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دُکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدن کے پاؤں

غالب مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو؟
پیتا ہوں دھو کے خسروِ شیریں سخن کے پاؤں

ق ۱۸۴۱

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ولے اُن کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی
ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

ن ۱۸۴۱

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آ جائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالبؔ ترا احوال سُنا دینگے ہم ان کو
وہ سُن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

رُباعیات[1]

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ جمجاہ نے دال
ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہ پہ دال
یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم
آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم
ہے اب کے شبِ قدر و دوالی باہم

---

[1] یہ معلوم نہیں کہ یہ رباعیات اور ردیف واؤ کی غزل کب لکھی گئیں۔ اُن میں یا تو ظفر کے
راکبر شاہ ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ یا ظفر کی طرف۔ مؤخرالذکر صورت میں مرزا بہادر شاہ کی
ایات ۱۸۴۱ء سے پہلے ہی شروع ہو گئی ہوں گی کیونکہ تینوں چیزیں اس سال سے پہلے کی ہیں

زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش — بنیں گے اور ستارے اب آسماں ،،
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے — سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں ،،
ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
۱۸۴۵ — صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

قطعات

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضورِ والا نے — مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی ،،
نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر — جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی ،،

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ — قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے
([illegible])

متفرقات[۱]

سیاہی جیسے گر جائے دمِ تحریر کاغذ پر — مری قسمت میں یوں تصویر ہے شبہائے ہجراں

---

۱ یہ متفرق اشعار اور رباعیات ۱۸۴۱ء سے پہلے لکھی گئیں۔ اور دیوانِ غالبؔ کے پہلے مطبوعہ نسخہ میں موجود ہیں

اے ظفر

۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۶ء

۶۶

دوشم آہنگ عشا بود کہ آمد در گوش ناله از تار ردائے کہ مرا بود بدوش

گاے خس شعلۂ آواز موذن نہ نہار از پئے گرمیٔ ہنگامہ منہ دل بخروش

تکیہ بر عالم و عابد نتواں کرد کہ ہست آں یکے بیہدہ گو وایں دگرے بیہدہ کوش

نیست جز حرف دراں فرقۂ اندر سرِ آے نیست جز رنگ دریں طائفۂ ازرق پوش

جادہ بگذار و پریشاں رَو و در راہ روی بفریب مے و معشوق مشو رہزن ہوش

بوسہ گر خود بود آساں مبر از شاہد مست بادہ گر خود بود ارزاں مخر از بادہ فروش

حاصل آنست ازیں جملہ نبودن کہ مباش ما نہ افسانہ سرائیم و تو افسانہ نیوش

منکر بودی کہم از مزدِ عبادت خالے چو دلم گشت تو ناگہ بہ رہ آوردم دوش

گفتم از رنگ بہ بیرنگی اگر آرم روے رہ دگر چوں سپرم گفت ز خود دیدہ بپوش

جستم از جای و لے ہوش و خرد پیشا پیش رفتم از خویش تہِ علم و عمل دوشا دوش

تا بہ بزمے کہ بیک وقت در آنجا دیدم بادہ پیمودن امروز و سجوں شفتن دوش

خانقاہ از روشِ زہد و ورع قلزم نور بتکدہ از اثرِ بوسہ و مے چشمۂ نوش

شاہد بزم دراں بزم کہ خلوت گہِ اوست فتنہ بر خویش و بر آفاق کشودہ آغوش

ہمچو خورشید کزو ذرہ درخشاں گردد خوردہ ساقی مے و گردیدہ جہانے مدہوش

رنگہا جستہ ز بیرنگی و دیدن نہ بچشم رازہا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول غالبؔ ایں زمزمہ آواز نخواہد خاموش

نوائے ظفر

غزلیات

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

شب ہوئی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھید
پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا

منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول
آج ادھر ہی کو رہے گا دیدۂ اختر کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو حوادث کا یہ حال
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
صَلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا — کام کا میرے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خوناب — حمزہ کا قصہ ہُوا عشق کا چرچا نہ ہُوا

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل[۲] — کھیل لڑکوں کا ہُوا دیدۂ بینا نہ ہُوا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پرزے

دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہُوا

درد منت کشِ دوا نہ ہُوا — میں نہ اچھا ہُوا، بُرا نہ ہُوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟ — اک تماشا ہُوا گلا نہ ہُوا

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہُوا

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب — گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہُوا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی — آج ہی گھر میں بوریا نہ ہُوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی؟ — بندگی میں مرا بھلا نہ ہُوا

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

زخم گر دب گیا، لہو نہ تھما — کام گر رک گیا روا نہ ہُوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے — لے کے دل دلستاں روانہ ہُوا

---

۱ ذوق کے شعر کی طرف اشارہ ہے +

۲ نہ سر سے ہے سہارا قطرہ سے دریا کا کہ — تیسرے سے جزو میں نظر کل کا تماشا ہم کو

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق اگر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خودبیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
روبرو کوئی بتِ آئینہ سیما نہ ہوا

کم نہیں نازشِ ہمنامیِ چشمِ خوباں
تیرا بیمار برا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا

سینے کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبۂ خوبیٔ تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنجِ گرانباریٔ زنجیر بھی تھا

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا
نالہ کرتا تھا و لے طالبِ تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھئے نہ فرہاد کو نام
ہم ہی آشفتہ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی
آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

ریختے کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب
آج ہی ہُوا منظور ان کو امتحاں اپنا

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاشکے مکاں اپنا

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

درد دل لکھوں کبتک؟ جاؤں انکو دکھلاؤں
اُنگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالبؔ غزل سرا نہ ہُوا

مَیں اور بزمِ مے سے، یُوں تشنہ کام آؤں
گر مَیں نے کی تھی توبہ، ساقی کو کیا ہُوا،

ہے ایک تیر جس میں دونوں چھِدے پڑے ہیں
وہ دن گئے کہ اپنا دِل سے جگر جُدا "

درماندگی میں غالبؔ کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا — بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگیٔ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے — کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
بعدِ یک عُمر وَرع بار تو دیتا بارے — کاش رضواں ہی درِ یار کا درباں ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خُدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا مَیں تو کیا ہوتا

ہُوا جب غم سے یوں بےحِس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جُدا تن سے، تو زانو پر دھرا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالبؔ مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا "

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام　　چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات　　سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

ہیں بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور　　کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات　　دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور
ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند!　　ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کماں اور
تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم؟ جب اُٹھیں گے　　لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جاں اور
ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی میں　　ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور
ہے خون جگر جوش میں، دل کھول کے روتا　　ہوتے جو کئی دیدۂ خوں نابہ فشاں اور
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے　　جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ "ہاں اور"
لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا　　ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
لیتا نہ اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم چین　　کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اور
پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے　　رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث بدلا — ننگِ سجدہ سے میرے سنگِ آستاں

تا کرے نہ غمازی کر لیا ہے دشمن کو — دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالبؔ دشمن آسماں اپنا

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا — کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ — جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ — یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے — آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ — مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے؟
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر — جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن — جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں — لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم — سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

چھوڑوں گا میں نہ اس بتِ کافر کا پوجنا — چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

غالبؔ خدا کرے کہ سوارِ سمندِ ناز
دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ بزم میں
ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں
کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا بُرائی ہے؟
بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
جو آؤں سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں
کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب
گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہیں
جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہمیں کیا کام
دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
تم انکے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالبؔ
یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں؟
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار
اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو میں

ہے کیا جو کس کے باندھیے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہوں اس بتِ بیداد گر کو میں

پھر بے خودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں

ان پریزادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

یند اسکی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

یں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

و نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

سکو روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

اں گیا بھی میں تو انکی گالیوں کا کیا جواب؟
یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں

افزا ہے بادہ جسکے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے — آخر گناہگار ہُوں کافر نہیں ہُوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟ — لعل و زمرّد و زر و گوہر نہیں ہُوں میں
رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ؟ — رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہُوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدمبوس کس لیئے — کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہُوں میں

غالبؔ وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے "نوکر نہیں ہُوں میں"

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صُورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعشِ گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عُریاں ہو گئیں

قید میں یعقُوبؑ نے لی گو نہ یُوسفؑ کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

جُوئے خُوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
مَیں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں؟
روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں؟

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں
بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

آئی اگر بلا تو جگر سے ٹلے نہیں
ایرا ہی دیکے ہم نے بچایا ہے کشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال
کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
حیا ہے اور یہی گومگو تو کیونکر ہو

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو

جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو

ہمیں پھر ان سے امید اور انہیں ہماری قدر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ وو تو کیونکر ہو

غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویران ہوگئیں

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دلفروز، صورتِ مہرِ نیمروز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں؟

دشنۂ غمزہ جانستاں، ناوکِ ناز بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

حسن اور اس پہ حسنِ ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں؟

واں وہ غرورِ عزّ و ناز، یاں یہ حجابِ پاسِ وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں؟

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز، اُس کی گلی میں جائے کیوں؟

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو
جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے
جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالب
فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناشناس ہیں؟
مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

ابھرا ہوا نقاب میں ہے انکے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گر نہ ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

مجھے جنوں نہیں غالبؔ ولے بقولِ حضور
فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

قفس میں ہوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
مرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو
نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خونچکاں مژگانِ سوزن کو
خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو
ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کاں میں جنبشِ جوہر نے آہن کو
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو
وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے
مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہنِ مے
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر
حضرت بھی کل کہیںگے کہ ہم کیا کیا کیے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سینکڑوں وعدے وفا کیے

غالبؔ تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا
دل لیجیے مگر مرے ارماں نکال کے

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو
قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو
یہ کہہ سکتے ہو "ہم دل میں نہیں ہیں" پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو
یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو
یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

مجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو
شکوۂ جور سے سرگرمِ جفا ہوتا ہے

ق کی راہ میں ہے چرخِ مکوکب کی وہ چال
ست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

ں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اُٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے

اتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

میرا کہ وہ ہے باربدِ بزمِ سخن
شاہ کی مدح میں یُوں نغمہ سرا ہوتا ہے

ہنشاہِ کواکب سپہ و مہر علم
تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

قلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال
آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے — حُورانِ خلد میں تری صُورت اگر ملے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل — میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم — میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا — فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں — مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

اے ساکنانِ کوچۂ دلدار دیکھنا!
تم کو کہیں جو غالبِ آشفتہ سر ملے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے — اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟ — سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں — پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر — کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے

قاطعِ اعمار ہیں اکثر نجوم — وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

کوئی اُمید بر نہیں آتی — کوئی صُورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

یوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

ہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں — چل نکلتے جو مے پیے ہوتے
ہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو — کاشکے تم مرے لیے ہوتے
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا — دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

آ ہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

ں مہ گرچہ بہ ہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرا مہِ خورشید جمال اچھا ہے

یتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ
جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے

ر سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا
رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیا ہے"
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تند خو کیا
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا

چپک رہا ہے لہو سے بدن پہ پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا
جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا۔
وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز
[illegible]

رات پی زمزم پہ مے اور صبحدم   دھوئے دھبے جامۂ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسایا کیا مگر   یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
شاہ کے ہے غسلِ صحت کی خبر   دیکھئے کب دن پھریں حمّام کے

عشق نے غالبؔ نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی   کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک   اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر   روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی   بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے   چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر   بادہ نوشی ہے باد پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیندار نے شفا پائی

ا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے   ہُوا رقیب تو ہو نامہ بر ہے کیا کہیے
مد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے   قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے
ہے ہے یوں گہ و بے گہ کہ کوئے دوست کو اب   اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے
ہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب   کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہیے

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہیں عُشاق بتوں سے کیا فیض
اِک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخن تیشے نے فرہاد کو شیریں سے کہا
جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

خضر سُلطاں کو رکھے خالقِ اکبر سرسبز
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دِل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یُوں تشنہ لب پیغام کے

خستگی کا تُم سے کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخِ نیلی فام کے

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ہیں کچھ سبحہ و زنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے

ڑا رہ اے دل وابستہ بیتابی سے کیا حاصل
مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمائش ہے

گ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

یں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل!
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

ھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
کاش یُوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لئے یُوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پُوچھے کہ "یہ کیا ہے" تو چھُپائے نہ بنے

س نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا؟
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال — کہ یہ کہے کہ سرِ رہگذر ہے، کیا کہیے
تمہیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال — ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا، کہیے
انہیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے — ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے
حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے — ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالبؔ برا نہیں لیکن
سوائے اسکے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

کریں گے کوہکن کے حوصلے کا امتحاں آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

نسیمِ مصر کو کیا پیرِ کنعاں کی ہوا خواہی
اسے یوسف کی بوئے پیرہن کی آزمائش ہے

وہ آیا بزم میں دیکھو، نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبرِ اہلِ انجمن کی آزمائش ہے

رہے دل ہی میں تیر اچھا، جگر کے پار ہو بہتر
غرض شستِ بتِ ناوک فگن کی آزمائش ہے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلیٰ مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنّا مرے آگے

ہے موجزن اِک قلزمِ خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالبؔ کو برا کیوں کہو، اچھّا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو "مُدّعا کہیے"
تمہیں کہو کہ جو تم یُوں کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ "ہم ستمگر ہیں"
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو "بجا" کہیے

وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اُتر جاوے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دِلکشا کہیے

جو مُدّعی بنے اس کے نہ مُدّعی بنیے
جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے

کہیں حقیقتِ جاں کاہیِ مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے

کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کہیں حکایتِ صبرِ گُریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہیں نگار کو اُلفت نہ ہو نگار تو ہے
روانیِ روش و مستیِ ادا کہیے

نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

کہہ سکے کون؟ کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں؟ کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں؟ کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے

سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں؟
بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشمِ تر سے عمر بھر یوں دمبدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی   قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی — میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی — ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر — دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے — وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — کچھ نہ سمجھے خُدا کرے کوئی
نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی — نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند — کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے — اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

روندی ہُوئی ہے کوکبۂ شہریار کی — اترائے کیوں نہ خاک سرِ رہگذار کی
جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ — لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالبؔ کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

مرثیۂ عارف

زم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اَور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اَور
ٹ جائے گا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہُوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اَور
ئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ "جاؤں"
مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اَور
تے ہُوئے کہتے ہو "قیامت کو ملیں گے"
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اَور
اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارفؔ
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اَور
ماہِ شبِ چار دہم تھے مِرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اَور

اک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
گویا ابھی سُنی نہیں آوازِ صور کی

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالبؔ گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے مئے گلفام بہت ہے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ خام بہت ہے

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں
پابستگی رسم و رہِ عام بہت ہے

زمزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم سے
آلودہ بہ مے جامۂ احرام بہت ہے

ہے قہر گر اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز | چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا
جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے | گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطاں کی چمک | کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا
تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابرِ بہار | لائے گا تابِ گراں باریِ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بہتر سہرا

مغذرت

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی | اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری | کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے
آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کل | ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں | مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے
استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال | یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر | سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور ریختہ ہاں اس سے مدعا | جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر | دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات | مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اَور

مجھ سے تمہیں نفرت سہی نیّر سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اَور

گُزری نہ بہرحال یہ مُدت خوش و ناخُوش
کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اَور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالبؔ
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اَور

سہرا

خوش ہو اَے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حُسن دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رُخ پہ دُولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا　　کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا　　ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا
اب مہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہ وہ برق نہیں ہے!

سلام

سلام اسے کہ اگر بادشاہ کہیں اسکو　　تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اسکو
نہ بادشاہ نہ سلطاں یہ کیا ستائش ہے　　کہو کہ خامس آل عبا کہیں اسکو
خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی　　کہو کہ رہبر راہِ خدا کہیں اسکو
خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا　　اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اسکو
فروغ جوہر ایماں حسینؑ ابن علیؑ　　کہ شمع انجمن کبریا کہیں اسکو
کفیل بخشش امت ہے بن نہیں پڑتی　　اگر نہ شافع روزِ جزا کہیں اسکو
مسیح جس سے کرے اخذِ فیض جاں بخشی　　ستم ہے کشتۂ تیغ جفا کہیں اسکو
وہ جس کے ماتمیوں پہ ہے سلسبیل سبیل　　شہید تشنہ لب کربلا کہیں اسکو!
عدو کی سمع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات　　کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اسکو
بہت ہے پایۂ گرد رہِ حسینؑ بلند　　بقدر فہم ہے گر کیمیا کہیں اسکو

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے
صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

نوحہ

سید فرزند احمد بلگرامی جلوۂ خضر میں مرزا غالب سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ مرثیہ کا ذکر آ گیا۔ فرمانے لگے۔ کہ میں نے بھی ایک شروع کیا تھا۔ تین بند کہہ کر دیکھا۔ تو واسوخت ہو گیا۔ وہ بند یہ ہیں :۔

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو اے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو اے ماتمیانِ شہِ معصوم کہاں ہو
بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تاب سخن و طاقت غوغا نہیں ہم کو ماتم میں شہِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکتے ہیں اپنے محابا نہیں ہم کو کہ چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہِ نہ پایہ جو مدت سے بپا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبے میں سوا ہے؟

اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسماں نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
حبّذا اے نشاطِ عامِ عوام

عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام

جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں
ایک ہی ہے اُمیدگاہِ انام

مَیں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام

جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
تب کہا ہے بہ طرزِ استفہام

مہرِ تاباں کو ہو تو ہو اے ماہ
قرب ہر روزہ بر سبیلِ دوام

تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام

جانتا ہوں کہ اسکے فیض سے تو
پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام

ماہ بن، ماہتاب بن، مَیں کون؟
مجھ کو کیا بانٹ دیگا تو انعام

میرا اپنا جُدا معاملہ ہے
اور کے لین دین سے کیا کام

ہے مجھے آرزوے بخششِ خاص
گر تجھے ہے اُمیدِ رحمتِ عام

جو کہ بخشے گا تجھ کو فرِّ فروغ
کیا نہ دے گا مجھے مئے گلفام

جبکہ چودہ منازلِ فلکی
کر چکی قطع تیری تیزیِ گام

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرّۂ خاک — کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اسکو
ہمارے درد کی یارب کہیں دوا نہ ملے — اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اسکو
ہمارا منہ ہے کہ دیں اسکے حسنِ صبر کی داد — مگر نبیؐ و علیؑ مرحبا کہیں اسکو
زمامِ ناقہ کف اسکے میں ہے کہ اہلِ یقیں — پس از حسینؑ علیؓ پیشوا کہیں اسکو
وہ ریگ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے — کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اسکو
امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد — پیادہ لے چلیں اور ناسزا کہیں اسکو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں — علیؑ سے آکے لڑے اور خطا کہیں اسکو
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ — بُرا نہ مانیے گر ہم بُرا کہیں اسکو
علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ — کرے جو ان سے بُرائی بھلا کہیں اسکو؟
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے — رکھے امام سے جو بغض کیا کہیں اسکو

بھرا ہے غالبؔ دلخستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اسکو

قصیدہ

ہاں مہِ نو سنیں ہم اس کا نام — جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح — یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب؟ — بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ — مظہرِ ذوالجلال والاکرام
شہسوارِ طریقۂ انصاف — نوبہارِ حدیقۂ اسلام
جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز — جس کا ہر قول معنیِ الہام
بزم میں میزبانِ قیصر و جم — رزم میں اوستادِ رستم و سام
اے ترا لطف زندگی افزا! — اے ترا عہد فرخی فرجام
چشمِ بد دور خسروانہ شکوہ! — لوحش اللہ عارفانہ کلام!
جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم — جرعہ خواروں میں تیرے مرشدِ جام
وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے — ایرج و تور و خسرو و بہرام
زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے — گیو و گودرز و بیژن و رہام
مرحبا موشگافیِ ناوک — آفریں آبداریِ صمصام
تیر کو تیرے تیرِ غیر ہدف — تیغ کو تیری تیغِ خصم نیام
رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند — برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا — تیرے رخشِ سبک عناں کا خرام
فنِ صورت گری میں تیرا گرز — گر نہ رکھتا ہو دستگاہِ تمام
اس کے مضروب کے سر و تن سے — کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام
جب ازل میں رقم پذیر ہوئے — صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق میں بہ کلکِ قضا — مجملاً مندرج ہوئے احکام

تیرے پرتو سے ہوں فروغ پذیر   کوئے مشکوئے صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز   اپنی صورت کا اک بلوریں جام
پھر غزل کی روش پہ چل نکلا   توسنِ طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام   تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
مے ہی پھر کیوں نہ میں پیے جاؤں   غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے   کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس   اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
اس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد   چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ جام
بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار   دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالبؔ اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ   اے پری چہرہ پیکِ تیز خرام
کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا   ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن   نامِ شاہنشہِ بلند مقام

تھی نظر بندی کیا جب ردِّ سحر — بادۂ گل رنگ کا ساغر کھلا
لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے — رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا
تاجِ زرّیں مہرِ تاباں سے سوا — خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
شاہِ روشن دل بہادر شہ کہ ہے — رازِ ہستی اس پہ سر تا سر کھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں — مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے — عقدۂ احکامِ پیغمبر کھلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام — اس کے سرہنگوں کا جب دفتر کھلا
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے — واں لکھا ہے چہرۂ قیصر کھلا
توسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب — ق — تھان سے وہ غیرتِ صرصر کھلا
نقشِ پا کی صورتیں وہ دل فریب — تو کہے بت خانۂ آزر کھلا
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کھلا
لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک — میری حدِّ وسع سے باہر کھلا
تھا دلِ وابستہ قفلِ بے کلید — کس نے کھولا؟ کب کھلا؟ کیونکر کھلا؟
باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار — مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہاں گرمِ غزل خوانی نفس
لوگ جانیں طبلۂ عنبر کھلا

کر دیا شاہدوں کو عاشق کش | کر دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسماں کو کہا گیا کہ کہیں | گنبدِ تیز گردِ نیلی فام
حکمِ ناطق لکھا گیا کہ لکھیں | خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی | وضعِ سوز و نم و رم و آرام
مہرِ رخشاں کا نام خسروِ روز | ماہِ تاباں کا نام شحنۂ شام
تیری توقیعِ سلطنت کو بھی | دی بدستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجب حکم | اس رقم کو دیا طرازِ دوام

ہے ازل سے روائیِ آغاز
ہو ابد تک رسائیِ انجام

قصیدہ

صبح دم دروازۂ خاور کھلا | مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں | شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود | صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ | دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو | موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر | اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب علوِ پایۂ منبر کھلا
سکۂ شہ کا ہوا ہے روشناس — اب عیارِ آبروئے زر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ — اب مآلِ سعیِ اسکندر کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے — اب فریبِ طغرل و سنجر کھلا
ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے — دفترِ مدحِ جہاں داور کھلا
فکر اچھی پر ستائش نا تمام — عجزِ اعجازِ ستائش گر کھلا
جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل — تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا

تم کرو صاحبقرانی جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

صفتِ انبہ

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز — کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز
خامے کا صفحہ پر رواں ہونا — شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے — نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے
بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے — خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مردِ میداں ہے — ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے

غزل

کچھ نہیں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا؟ — کاش کے ہوتا قفس کا در کھلا
ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے — یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
ہم کو ہے اس راز داری پر گھمنڈ — دوست کا ہے حال دشمن پر کھلا
واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ — زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سے رکھدی کب ابرو نے کماں — کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا
مفت کا کس کو برا ہے بدرقہ — رہروی میں پردۂ رہبر کھلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک — آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
نامے کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ — رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھیو غالبؔ سے گر الجھا کوئی
ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھلا

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال — پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامے نے پائی طبیعت سے مدد — بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — عرض سے یاں رتبۂ جوہر کھلا
مہر کانپا چرخ چکر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کھلا

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم — ناز پروردۂ بہار ہے آم
خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو — نو برِ نخلِ باغِ سلطاں ہو
وہ کہ ہے والیِ ولایتِ عہد — عدل سے اسکے ہے حمایتِ عہد
فخرِ دین عزِ شان و جاہِ جلال — زینتِ طینت و جمالِ کمال
کارفرمائے دین و دولت و بخت — چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے — خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
اے مفیضِ وجودِ سایہ و نور — جب تلک ہے نمودِ سایہ و نور
اس خداوندِ بندہ پرور کو — وارثِ گنج و تخت و افسر کو
شاد و دل شاد و شادماں رکھیو
اور غالبؔ پہ مہرباں رکھیو

قطعات

ہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر — اے جہاندارِ کرم شیوۂ بے شبہ و عدیل
تیرے ملے فرقِ ارادت اورنگ — فرق سے تیرے کرے کسبِ سعادت اکلیل

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں　　آئے یہ گوئے اور یہ میداں
آم کے آگے پیش جائے خاک　　پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور　　بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے　　شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے　　آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار　　جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں　　جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جان میں ہوتی گر یہ شیرینی　　کوہکن باوجود غمگینی
جان دینے میں اسکو یکتا جان　　پر وہ یُوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر　　کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام　　شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے　　باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بہ حکمِ رب الناس　　بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس
یا لگا کے خضر نے شاخِ نبات　　مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل　　ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس　　رنگ کا زرد پہ کہاں بوباس
آم کو دیکھتا اگر اک بار　　پھینک دیتا طلائے دست افشار

گزارش بحضور شہنشاہ

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ — اے جہاندارِ آفتاب آثار
تھا میں اک بے نوائے گوشہ نشیں — تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی — ہوئی میری وہ گرمیِ بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز — روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے ننگِ بے ہنری — ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی — جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں — بادشہ کا غلامِ کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح — تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر — نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں — مدعائے ضروری الاظہار
پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے بادِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار

تیرا اندازِ سخن شانۂ زلفِ الہام — تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

تجھ سے عالم پہ کھلا رابطۂ قربِ کلیم — تجھ سے دنیا میں بچھا مائدۂ بذلِ خلیل

بہ سخن اوج دہ مرتبۂ معنی و لفظ — کرمِ داغ نہ ناصیۂ قلزم و نیل

تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر — تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر — زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہیں — تیری بخشش مری انجاحِ مقاصد کی کفیل

تیرا اقبالِ ترحّم مرے جینے کی نوید — تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل

بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں — چرخِ کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتۂ اوقات میں گانٹھ — پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخنِ تدبیر میں کیل

تپشِ دل نہیں بے رابطۂ خوفِ عظیم — کششِ دم نہیں بے ضابطۂ جرِّ ثقیل

درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی — غمِ گیتی سے مرا سینہ امر کی زنبیل

فکر میری گہر اندوزِ اشاراتِ کثیر — کلک میری رقم آموزِ عباراتِ قلیل

میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح — میرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف — جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلۂ کون و مکاں خستہ نوازی میں یہ دیر؟
کعبۂ امن و اماں عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل؟

مدح

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے

گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
رونق بزم مہ و مہر تری ذات سے ہے

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے

خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے سر دست
نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے

ہاتھ میں تیرے رہے توسن دولت کی عناں
یہ دعا شام و سحر قاضیٔ حاجات سے ہے

تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے

اس پہ گزرے نہ گماں ریو و ریا کا زنہار
غالبؔ خاک نشیں اہل خرابات سے ہے

رات کو آگ اور دن کو دھوپ　　　بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انساں　　　دھوپ کھائے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی　　　وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
میری تنخواہ جو مقرر ہے　　　اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مُردہ کی چھ ماہی ایک　　　خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات　　　اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض　　　اور رہتی ہے سُود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا　　　ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آج مجھ سا نہیں زمانے میں　　　شاعرِ نغز گوئے خوش گفتار
رزم کی داستاں اگر سنیے　　　ہے زباں میری تیغِ جوہر دار
بزم کا التزام گر کیجے　　　ہے قلم میرا ابر گوہر بار
ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد　　　قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا　　　آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ　　　تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام　　　شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ہے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل / ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

کیونکر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر / قاصر ہے شکایت میں تری میری عبارت

نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں / نظارگیٔ صنعتِ حق اہلِ بصارت

تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تاب مبارک

غالب کو ترے عتبۂ عالی کی زیارت

مُتفرقات

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو / اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو / روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے / جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہُوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے / کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے

سہل تھا مُسہل ولے یہ سخت مشکل آ پڑی / مجھ پہ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہُوئے

تین دن مُسہل سے پہلے تین دن مُسہل کے بعد / تین مُسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہُوئے

قطعہ

ہے چار شنبہ آخرِ ماہِ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشک بو کی ناند

جو آئے، جام بھر کے پیے، اور ہو کے مست
سبزے کو روندتا پھرے، پھولوں کو جائے پھاند

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زر و مہر و ماہ ماند

یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

غالبؔ یہ کیا بیاں ہے بجز مدحِ بادشاہ
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشتِ خواند

قطعہ

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت

جو عقدۂ دشوار کہ کوشش سے نہ وا ہو
تو وا کرے اس عقدے کو سو بھی بہ اشارت

ممکن ہے کرے خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمۂ حیواں سے طہارت

آصف کو سلیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخرِ سلیماں جو کرے تیری وزارت

ہے نقشِ مریدی ترا فرمانِ الٰہی
ہے داغِ غلامی ترا توقیعِ امارت

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں
تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت

ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی
باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے　　کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ　　وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں　　آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ لیکن　　خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے　　بھیجے ہیں جو ارمغاں شہِ والا نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار　　فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری　　کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی؟　　شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری؟

رازو نیاز

بردست و پائے بندِ گرانے نہادہ　　نازم بہ بندگی کہ نشانے نہادہ
المنۃ للہ کہ زمرگ اگر رستہ ام زبند　　دلدوزِ ناوکے بہ کمانے نہادہ

خجستہ انجمنِ طوئے میرزا جعفر ۔۔۔ کہ جسکے دیکھے سے سب کا ہُوا ہے جی محفوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالبؔ ۔۔۔ نہ کیوں ہو مادہ سالِ عیسوی "محفوظ"
۱۸۵۴ء

ہُوئی جب میرزا جعفر کی شادی ۔۔۔ ہُوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالبؔ سے تاریخ اسکی کیا ہے ۔۔۔ تو بولا "انشراحِ جشنِ جمشید"
۲۳ ۱۲ ۷۰

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں ۔۔۔ دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہُوئے سلام ۔۔۔ ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے ۔۔۔ تا شاہ شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ ۔۔۔ ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے

اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا ۔۔۔ اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سینکڑے کو ایک گرہ فرض کریں ۔۔۔ ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں ۔۔۔ عُشاق کی پُرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہوگا ۔۔۔ کیونکر مانوں کہ اس میں تلوار نہیں

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را　　کاں نیمے جنبشِ زبانِ محمدؐ ست
در خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود　　آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ ست

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

سالکانِ طریقت

رہرواں چوں گہرِ آبلۂ پا بینند　　پائے را پایہ فراتر ز ثریا بینند
ہر چہ در دیدہ عیانست نگاہش دارند　　ہر چہ در سینہ نہانست ہویدا بینند
راستی اندر رقمِ صفحۂ ہستی خوانند　　نقش کج بر ورقِ شہپرِ عنقا بینند
راز زیں دیدہ وراں جوئے کہ از دیدہ وری　　نقطہ گر در نظر آرند سویدا بینند
راہ زیں دیدہ وراں پرس کہ در گرم روی　　جادہ چوں نبضِ تپاں در تنِ صحرا بینند
شررے را کہ بناگاہ بدر خواہد جست　　زخمہ کردار بہ تارِ رگِ خارا بینند
قطرہ را کہ بہ آئینۂ گہر خواہد بست　　صورتِ آبلہ بر چہرۂ دریا بینند
شام در کوکبۂ صبح نمایاں نگرند　　روز در منظرِ خفاش ہویدا بینند
وحشت تفرقہ در کارِ مصوّر سنجند　　مجمعِ انس بہ نے بستِ زلیخا بینند
ہر چہ گوید عجم از خسرو و شیریں شنوند　　ہر چہ آرد عرب از وامق و عذرا بینند

تا در اُمید عمر بہ پایان ار بگذرد — از لطف در حیات نشانے نہادہ
تا خستۂ بلا نبود بے گریزگاہ — در مرگ احتمالِ امانے نہادہ
رازیست گر دلے بجفائے شکستہ — دادست گر سرے بسنانے نہادہ
دوزخ بداغِ سینۂ ندارے نہفتہ — قلزم بچشمِ اشک فشانے نہادہ
بہر دلے فسونِ نشاطے دمیدہ — بر ہر تنے سپاسِ روانے نہادہ
ہر دیدہ را درے بتماشائے کشادہ — ہر فرقہ را دلے بگمانے نہادہ

غالبؔ زغصہ مرد، ہمانا خبر نداشت
کاندر خرابہ گنجِ نہانے نہادہ

نعت

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ ست — آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ ست
آئینہ دارِ پرتوِ مہرست آفتاب — شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست
تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست — اما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ ست
دانی اگر بہ معنیِ لَولاک وارسی — خود ہر چہ از حق ست ازانِ محمدؐ ست
ہر کس قسم بدانچہ عزیزست میخورد — سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ ست
واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فروگذار — کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ ست

نقشہائے دلفریب انگیخت چرخ — ابرہائے دجلہ بار آورد باد
گرد خوئش گرم تاب آفتاب — چشمہا از کوہسار آورد باد
چوں سمن بشگفت گوہر در صدف — از کجا ایں کاروبار آورد باد
گر نہ لعبت باز بود ہست از چہ رو — لالہ و گل را بکار آورد باد
گل بہ شوئے سبزہ مے غلطید دشت — آرزوئے سبزہ زار آورد باد
جوش خوں در سینہ جوش گل بباغ — ہم نہاں ہم آشکار آورد باد
بوئے گل شد گر بخار انگیخت خاک — موج گل زد گرد غبار آورد باد

آئینِ مغرب

صاحبانِ انگلستاں را نگر — شیوہ و اندازِ ایناں را نگر
تا چہ آئیں ہا پدید آوردہ اند — آنچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند
زیں ہنرمنداں ہنر بیشی گرفت — سعی بر پیشینیاں بیشی گرفت
حق ایں قوم ست آئیں داشتن — کس نیارد دیگ بر زیں داشتن
داد و دانش را بہم پیوستہ اند — ہند را صد گونہ آئیں بستہ اند
آتشے کز سنگ بیروں آورند — ایں ہنرمنداں ز خس چوں آورند
تا چہ افسوں خواندہ اند ایناں بر آب — دود کشتی را ہمے راند در آب

نستوہند اگر ہمرہ مجنوں گردند | نخروشند اگر محمل لیلا بینند
قشقہ را رونق ہنگامۂ ہندو خوانند | بادہ را شمع طرب خانۂ ترسا بینند
برہمن و زمزمہ و قشقہ و زنار و صلیب | خرقہ و سبحہ و مسواک و مصلا بینند
دل نہ بندند بہ نیرنگ درین پردۂ رنگ | ہرچہ بینند بعنوان تماشا بینند
ہرچہ در سوختگاں یافت بپرسیدند | ہرچہ در جاشتواں دیدہ بجا بینند
ہمہ گردند بداں پا کہ بود راہ اسد | ہیچ باشند دراں وقت کہ اورا بینند

ہر آں باد کہ دنیا ست نمود سے بود
ایں دل افروز نمودے کہ ز دنیا بینند

بہار

باز پیغام بہار آورد باد | مژدہ بہر روزگار آورد باد
نیکوئی در رنگ و بو افزودہ تر | تازگی در برگ و بار آورد باد
گنج باد آورد خسرو یک طرف | گنج ہائے بے شمار آورد باد
گر تمہ گنج زر نباشد گو مباش | زیں نمائش ہا ہزار آورد باد
شاہد گل تاب مستوری نداشت | مستش اندر رہگذار آورد باد
از ہجوم غنچہ در صحن چمن | کودکاں نے سوار آورد باد

چراغِ سحری

۱۸۵۷ء تا ۱۸۶۹ء

گہ دخاں کشتی بہ جیحوں می برد   گہ دخاں گردوں بہاموں می برد
از دخاں زورق برفتار آمدہ   باد و موج ایں ہر دو بیکار آمدہ
نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند   حرف چوں طائر بپرواز آورند
ہیں نمی بینی کہ ایں دانا گروہ   در دو دم آرند حرف از صد کروہ
می زنند آتش بباد اندر ہمے   می درخشد باد چوں اخگر ہمے
کار و بار مردم ہشیار بیں   در ہر آئیں صد نو آئیں کار بیں
پیش ایں آئیں کہ دارد روزگار   گشتہ آئینِ دگر تقویمِ پار

غزل

اے ذوقِ نواسنجی! بازم بخروش آور   غوغائے شبیخونے بر بنگہِ ہوش آور
گر خود نجہد از سر از دیدہ فرو بارم   دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بجوش آور
ہاں ہمدمِ فرزانہ دانی رہِ ویرانہ   شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور
شوریدگیِ ایں وادی تلخ است اگر دانی   از شہر بسوئے من سرچشمۂ نوش آور
دانم کہ زرے داری ہر جا گذرے داری   مے گر ندہد سلطاں از بادہ فروش آور
گر مغ بکدہ در بندد برکف نہ و راہی شو   ور شحنہ سبو بخشد بردار و بدوش آور
ریحاں دمد از مینا رامش چکد از قلقل   آں در رہِ چشم افگن ویں در پئے گوش آور
گاہے بسبکدستی زاں بادہ زخویشم بر   گاہے بسیہ مستی از نغمہ بہوش آور
غالبؔ کہ بقا بادش ہمپائے تو گر نامد   بارے غزلے فردے زاں سینہ پوش آور   (۱۸۵۵ء)

چراغِ سحری

رستخیزِ بیجا

بسکہ فعّالِ ما یرید ہے آج　　ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے　　زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے　　گھر نمونہ بنا ہے زنداں کا
شہرِ دہلی کا ذرّہ ذرّہ خاک　　تشنۂ خوں ہے ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک　ق　آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا　　وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوے　　سوزشِ داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم　　ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
اس طرح کے وصال سے یا رب　　کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا　۱۸۵۷

فرد

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

دمِ واپسیں برسرِ راہ ہے

عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

ملیگی اسکو وہ عقل جو نقد دل کا ہے   پڑے نہ قطع خصومت میں احتیاج گواہ
یہ ترک ناز سے برہم کریگا کشور روم   یہ لیگا بادشہوں سے چھین تخت و کلاہ
سنیں جو بیوی اٹھارہ سو اٹھاون   یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ

یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جائیں
دراز اسکی ہو عمر اس قدر سخن کوتاہ

قصیدہ

روزگار ما نتواند شمار یافت   خود روزگار آنچه درین روزگار یافت
رفتار تیز گرد فلک در میان ببین   حق داد داد حق که بکه قرار یافت
پاے آسمان بزمین باز کرده اند   هر کس هر آنچه جست بهر رهگذار یافت
اگر بفرض ز بالا بلا فرود   بر روے خاک پیچ و خم زلف یار یافت
حسن ماه یکشنبه بین بدان که ماه   پاداش جانگدازی شبهاے تار یافت
بارش رسا که تنگری شاد شود گل   اجر جگر خراشی پیکان خار یافت
خاک و باد و آتش و آب آشتی فزود   این پرورش که خلق ز پروردگار یافت
ارچه بداد کرد الیش سے کند   در دہر هر چه صورت ازین ہر چہار یافت
تا بقدر فطرت خود بس از همه گذشت   هر شے بقدر جوهر خویش اشتهار یافت
اجر بنده را خط آزادگی نبشت   چه بر در سراے خودش بنده وار یافت

قصیدہ

ملاذِ کشور و لشکر پناہِ شہر و سپاہ	جنابِ عالی ایلن برا ذی جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر	کہ باج تاج سے لیتا ہے جسکا طرفِ کلاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ بہرِ اہلِ جہاں	نیابتِ دمِ عیسیٰ کرے ہے جسکی نگاہ
وہ عینِ عدل کہ دہشت سے جسکی پرسش کے	بنے ہے شعلۂ آتش انیسِ پرۂ کاہ
زمیں سے سو وہ گوہر اٹھے بجائے غبار	جہاں ہو توسنِ ہمت کا اسکے جولانگاہ
وہ مہرباں ہو تو انجم کہیں الٰہی شکر!	وہ خشمگیں ہو تو گردوں کہے خدا کی پناہ!
یہ اسکے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش	کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہر سرِ راہ
ہزبر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا	کبھی جو ہوتی ہے الجھی ہوئی دمِ روباہ
نہ آفتاب ولے آفتاب کا ہم چشم	نہ بادشاہ ولے مرتبے میں ہمسرِ شاہ
خدا نے اسکو دیا ایک خوبرو فرزند	ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوئے ماہ
زہے ستارۂ روشن کہ جو اسے دیکھے	شعاعِ مہرِ درخشاں ہو اسکا تارِ نگاہ
خدا سے ہے یہ توقع کہ عہدِ طفلی میں	بنے گا شرق سے تا غرب اسکا بازیگاہ
جواں ہو کے کریگا یہ وہ جہانبانی	کہ تابع اسکے ہوں روز و شب سپید و سیاہ
کہے گی خلق اسے داورِ سپہر شکوہ	لکھیں گے لوگ اسے خسروِ ستارہ سپاہ
عطا کریگا خداوندِ کارساز اسے	روانِ روشن و خوئے خوش و دلِ آگاہ

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے

نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا
خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے

وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم!
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

تم ہو بت پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے؟
تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب!
سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لیے اے غیرتِ ماہ!
ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی

حسن میں حور سے بڑھ کر نہیں ہونے کی کبھی
آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

تیرے کوچے کا ہے مائل دلِ مضطر میرا
کعبہ اک اور سہی قبلہ نما اور سہی

کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ
خلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی

مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
زہر کچھ اور سہی آبِ بقا اور سہی

مجھ سے غالب یہ علائی نے غزل لکھوائی
ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی   ۱۲۸۲ھ

لطفِ نظارۂ قاتل دمِ بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری
دوست جو ساتھ مرے تا لبِ ساحل آئے

در بندہ خود ز خشم خطِ بندگی درید — توقیعِ خوشدلی ز خدا وندگار یافد

مہر روشنی و مہر فروزش ز سر گرفت — لیل و نہار صورتِ لیل و نہار یافد

بہرام دل بہ بستن تیغ و کمر نہاد — ناہید ذوقِ ورزشِ مضراب و تار یافد

نظّارہ فتنہ ہائے عیاں از نظر ستُرد — اندیشہ گنجہائے نہاں آشکار یافد

برہم زدند قاعدہ ہائے کہن بدہر — ہر کس نشاطِ تازہ ز ہر گونہ کار یافد

فیض سحر بہ غالبِ پیمانہ کش رسید

۱۸۵۸ء

ذوقِ صبوح عابدِ شب زندہ داریافت

غزلیاتِ اردو

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز — کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے — ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ

واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

[1] بہشت بھی غم گیتی شراب کم کیا ہے — غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے — رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے — کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے

---

[1] مطبوعہ دیوانوں میں اس غزل کے فقط تین شعر ہیں۔ باقی اشعار عرشی نے ایک خط میں نقل کئے ہیں۔

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئنے سے کہ مردم گزیدہ ہوں[1]

شبِ وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ ہوا ہے موجبِ آرامِ جان و تن تکیہ
خراج بادشہِ چیں سے کیوں نہ مانگوں آج؟ کہ بن گیا ہے خمِ جعدِ پُرشکن تکیہ
بنا ہے تختۂ گلہائے یاسمیں بستر ہوا ہے دستۂ نسرین و نسترن تکیہ
فروغِ حُسن سے روشن ہے خوابگاہ تمام جو رختِ خواب ہے پرویں تو ہے پرن تکیہ
مزا ملے کہو کیا خاک ساتھ سونے کا رکھے جو بیچ میں وہ شوخِ سیم تن تکیہ
اگرچہ تھا یہ ارادہ مگر خدا کا شکر اُٹھا سکا نہ نزاکت سے گلبدن تکیہ
ہُوا ہے کاٹ کے چادر کو ناگہاں غائب اگرچہ زانوئے نل پہ رکھے دمن تکیہ
بضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہُوا کہ ضربِ تیشہ پہ رکھتا تھا کوہکن تکیہ
یہ رات بھر کا ہے ہنگامہ صبح ہونے تک رکھو نہ شمع کے اے اہلِ انجمن تکیہ
اگرچہ پھینک دیا تم نے دور سے لیکن اٹھائے کیونکہ یہ رنجورِ خستہ تن تکیہ[2]
غش آگیا جو پس از قتل میرے قاتل کو ہوئی ہے اس کو مری نعش بے کفن تکیہ
شبِ فراق میں یہ حال ہے اذیت کا کہ سانپ فرش ہے اور سانپ کا ہے من تکیہ

---

[1] یہ غزل اور اسکے بعد کی دو غزلیں بطورِ غیر متداول کلام کے رسالہ اُردو اور چند کتب میں شائع ہوئی ہیں لیکن غالب کی تصانیف اور مستند معاصرانہ تذکروں میں ان کے متعلق کوئی اندراج نہیں ۔

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ! ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے
آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اٹھتے ہیں لو وہ برہم زنِ ہنگامۂ محفل آئے
دیدہ خوں بار ہے مدت سے ولے آج ندیم دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے
اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے
دسمبر ۱۸۶۵ء

کلامِ غالب (۹)

ممکن نہیں ہے بھول کے بھی آرمیدہ ہوں میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں
ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو گہ نالۂ کشیدہ گہ اشکِ چکیدہ ہوں
جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں
نے سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں
ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ نے دانۂ فتادہ ہوں نے دامِ چیدہ ہوں
جو چاہتے نہیں وہ مری قدر و منزلت میں یوسفِ بہ قیمتِ اول خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں
اہلِ ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں

مسجد کے زیرِ سایہ اک گھر بنا لیا ہے　　یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

تاریخ تذکرہ سراپا سخن مطبوعہ سنہ ۱۲۷۷ھ

اس کتابِ طرب نصاب نے جب　　آب و تاب انطباع کی پائی
فکرِ تاریخِ سال میں مجھ کو　　ایک صورت نئی نظر آئی
ہندسے پہلے سات سات کے دو　　دیے ناگاہ مجھ کو دکھلائی
اور چھ ہندسہ تھا بارہ کا　　یا ہزاراں ہزار زیبائی
سال ہجری تو ہو گیا معلوم　　بے شمولِ عبارت آرائی
مگر اب ذوقِ بذلہ سنجی کو　　ہے جداگانہ کار فرمائی
سات اور سات ہوتے ہیں چودہ　　بہ امیدِ سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصوم　　جن سے ہے چشم و جاں کو زیبائی
اور بارہ امام ہیں بارہ　　جن سے ایماں کو ہے توانائی

ان کو غالب یہ سال اچھا ہے
جو ائمہ کے ہیں تولائی

روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظ "تکیہ کلام" اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن "سخن تکیہ"

ہم اور تم فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
فقیرِ غالبِ مسکیں کا ہے کہن تکیہ

آپ نے مَسَّنِیَ الضُّرُّ کہا ہے تو سہی یہ بھی اے حضرتِ ایوبؑ گلا ہے تو سہی
رنج طاقت سے سوا ہو تو نہ پیٹوں کیوں سر ذہن میں خوبیِ تسلیم و رضا ہے تو سہی
ہے غنیمت کہ بہ امید گزر جائے گی عمر نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہے تو سہی
دوست ہی کوئی نہیں ہے جو کرے چارہ گری نہ سہی لیک تمنائے دوا ہے تو سہی
غیر سے دیکھیے کیا خوب نباہی اُس نے نہ سہی ہم سے پر اس بت میں وفا ہے تو سہی
نقل کرتا ہوں اسے نامۂ اعمال میں میں کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہے تو سہی

کبھی آ جائے گی کیوں کرتے ہو جلدی غالبؔ
شہرۂ تیزیِ شمشیرِ قضا ہے تو سہی

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہے ؎ تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

ذرا کر زور سینے پر کہ تیرِ پُرستم نکلے ؎ جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
خدا کے واسطے پردہ نہ کعبے کا اٹھا واعظ ؎ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے

ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
کاتب کی آستیں ہے مگر تیغِ بے نیام

وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
جب یاد آ گئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام

ستر برس کی عمر میں یہ داغ جانگداز
جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

تھی جنوری مہینے کی تاریخ تیرھویں
استادہ ہو گئے لبِ دریا پہ جب خیام

اس بزمِ پر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
نمبر ملا نشست میں از روئے اہتمام

سمجھا اسے گر اب تو ہوا پاش پاش دل
دربار میں جو مجھ پہ چلی چشمکِ عوام

عزت پہ اہلِ نام کے ہستی کی ہے بنا
عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام

تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
اس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب
تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا اژدہام

اس کشمکش میں آپ کا مداح دردمند
آیا ہے ناصرو سے نہ کچھ کر سکا سلام

جو واں نہ کہہ سکا تھا وہ لکھا حضور کو
دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام

ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
سلطانِ بر و بحر کے در کا ہوں میں غلام

وکٹوریہ کا دہر میں جو مدح خواں ہو
شاہانِ عصر چاہئیں عزت اس سے وام

خود ہے تدارک اسکا گورنمنٹ کو ضرور
بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام

امرِ جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال
بارے قدیم قاعدے کا چاہیئے قیام

ہے بندہ کو اعادۂ عزت کی آرزو
چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

سہرا

ہمنشیں تارے ہیں اور چاند شہاب الدین خاں
بزم شادی ہے فلک کاہکشاں ہے سہرا

ان کو لڑیاں نہ کہو بحر کی موجیں سمجھو
ہے تو کشتی میں ولے بحر رواں ہے سہرا

قصیدہ

کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام
فرمانروائے کشور پنجاب کو سلام

حق گو و حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نواب مستطاب امیر ستودہ احتشام

جم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقت رزم
ترک فلک کے ہاتھ سے وہ چھین لیں حسام

جس بزم میں کہ ہو انہیں آہنگ میکشی
واں آسمان شیشہ ہے اور آفتاب جام

قطعہ

چاہا تھا میں نے تم کو مہ چاردہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام

دو رات میں تمام ہے ہنگامہ ماہ کا
حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الدوام

سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
دریائے نور ہے فلک آبگینہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سرزمین پہ
حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام

اخبار "لودھیانہ" میں میری نظر پڑی
تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام

فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں
کئی ہزار برس بلکہ بے شمار برس
جنابِ قبلۂ حاجات اس بلاکش نے
بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس
شفا ہو آپ کو، غالبؔ کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس

قطعۂ مدحیہ

ہند میں اہلِ تسنّن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد دکن، رشکِ گلستانِ ارم
رام پور اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں جو جاتے ہیں تو کم
رام پور آج ہے وہ بقعۂ معمور کہ ہے
مرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم

لہ مکاتیبِ غالبؔ

دستورِ فنِ شعر یہی ہے قدیم سے | یعنی دُعا پہ مدح کا کرتے ہیں اختتام
ہے یہ دعا کہ زیرِ نگیں آپ کے رہے | اقلیمِ ہند و سند سے تا ملک روم و شام

دُعا

اے جہاں آفریں خدائے کریم | صانعِ ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام میکلوڈ جن کا ہے مشہور | یہ ہمیشہ بصد نشاط و سرور
عُمر و دولت سے شادماں رہے | اور غالبؔ پہ مہرباں رہے

قطعہ[۱]

مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطۂ خاک
رہا ہے زور سے ابرِ ستارہ بار برس
کہاں ہے ساقیِ مہ وش؟ کہاں ہے ابرِ مطیر؟
بیار، لائیے گلنار گوں، ببار، برس
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی
درِ حضور پہ اے ابر بار بار برس
ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو ملک وہ کہے
امیر کلب علی خاں جئیں ہزار برس

۱۔ ادر مکاتیب ؛ ۱۱۱ص

یا خدا غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا عالم
اولاً عمرِ طبیعی بہ دوامِ اقبال
ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ امم

قطعہ

خوشی تو ہے آنے کی برسات کے — پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں
سرِ آغازِ موسم میں اندھے ہیں ہم — کہ دلی کو چھوڑیں لوہارو کو جائیں
سوا ناج کے جو ہے مطلوبِ جاں — نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں
ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں — ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں
وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول — وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں
فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشہ دار
کہو اسکو کیا کھا کے ہم حظ اٹھائیں

رباعیات

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے — ثاقب حرکت یہ کی ہے بیجا تم نے
حاجی کلو کو دے کے بے وجہ جواب — غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

رام پور ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
دل کش و تازہ و شاداب و وسیع و خرّم
جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اُسی طور یہاں دجلہ فشاں دستِ کرم
ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مُدام
دُرِ شہوار ہیں جو کرتے ہیں قطرے پیہم
صبحدم باغ میں آجائے جسے ہو نہ یقیں
سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
حبّذا باغِ ہمایونِ تقدّس آثار
کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
مسلکِ شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس
خضر بھی یاں اگر آجائے تو لے اُن کے قدم
مدح کے بعد دُعا چاہیئے اور اہلِ سخن
اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اغراق رقم
حق سے کیا مانگئے؟ ان کے لئے جب ہو موجود
ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
ہم نہ تبلیغ کے قائل نہ غلو کے قائل
دو دُعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم

جن کی مسند کا آسماں گوشہ — جن کی خاتم کا آفتاب نگیں
جن کی دیوار قصر کے نیچے — آسماں ہے گدائے سایہ نشیں
دہر میں اس طرح کی بزمِ سرور — نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں
انجمِ چرخ گوہر آگیں فرش — نور لے ماہ سے ساغرِ سیمیں
راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہے — ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں
وہ نظر گاہِ اہلِ وہم و خیال — یہ ضیا بخش چشمِ اہلِ یقیں
واں کہاں یہ عطا و بذل و کرم — کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے — ژالہ آسا بچھے ہیں دُرِّ ثمیں
نغمۂ مطربانِ زہرہ نوا! — جلوۂ لولیانِ ماہ جبیں
اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظنون — یاں وہ دیکھا بہ چشمِ صورت بیں
سرورِ مہر فر ہوا جو سوار — بہ کمالِ تجمل و تزئیں
سب نے جانا کہ ہے پری توسن — اور یاں پری ہے دامنِ زیں
نقشِ سمِ سمند سے یکسر — بن گیا دشت دامنِ گلچیں
فوج کی گردِ راہ مشک فشاں — راہرووں کے مشام عطر آگیں
بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت — فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں
موکبِ خاص یوں زمیں پر تھا — جس طرح ہو سپہر پر پرویں
چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام — ران پر داغِ تازہ دیکھے وہیں

اے روشنیٔ دیدہ شہاب الدین خاں　　کتنا ہے بتاؤ کسی طرح سے رمضاں
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک　　سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآں

قصیدہ

مرحبا! سالِ فرخی آئیں　　عیدِ شوال و ماہِ فروردیں
شب روزِ افتخارِ لیل و نہار　　مہ و سالِ اشرفِ شہور و سنیں
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز　　لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی　　جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں
شہر میں کو بکو عبیر و گلال　　باغ میں سو بسو گل و نسریں
شہر گویا نمونۂ گلزار　　باغ گویا نگار خانۂ چیں
تین تیوہار اور ایسے خوب　　جمع ہرگز ہوئے نہ ہوں گے کہیں
پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں　　منعقد محفلِ نشاط قریں
محفلِ غسلِ صحتِ نواب　　رونق افزائے مسندِ تمکیں
بزم گہ میں امیر شاہ نشاں　　رزم گہ میں حریفِ شیرِ کمیں
پیشگاہِ حضور شوکت و جاہ　　خیر خواہِ جنابِ دولت و دیں

ا فائدہ یہی ہے کہ اس سے شاعر کی طبعی نشوونما اور اس کی ذہنی تربیت کا حال معلوم
تا ہے اور خیالات کا تغیر و تبدل دکھانے سے شاعر کی شخصیت زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے
مرزا کی ذہنی حالت اور ان کے خیالات کا اظہار فقط ان کے اردو کلام میں نہیں۔ بلکہ
رسی زبان میں بھی انہوں نے شعر کہے ہیں۔ جو تعداد میں اُردو سے کہیں زیادہ ہیں اسکے
لاوہ شاعرانہ نقطہ نظر سے بھی مرزا کا فارسی کلام اُردو دیوان سے کم رتبہ نہیں۔ وہ خود
تے ہیں ؎

مست نقصاں بکید و خیز دست از سوادِ ریختہ
کاں دژم برگے ز نخلستانِ فرہنگِ منست

فارسی بیں تا ببینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بیرنگِ منست

فارسی بیں تا بدانی کاندر اقلیم خیال
مانی و ارژنگم و آں نسخہ ارژنگِ منست

کے درخشد جوہرِ آئینہ تا باقی است زنگ
صیقلِ آئینہ ام ایں جوہرِ آں زنگِ منست

اور یہ بھی صحیح ہے کہ مرزا کے اُردو دیوان میں یا تو اُن کا طفولیت اور عنفوانِ
باب کے چند سالوں کا کلام ہے یا درباری دور کے اشعار ہیں۔ جن کا بیشتر حصہ فرمائش
ے طور پر لکھا گیا۔ اب اگر اس کلام کو مرزا کا حاصلِ زندگی سمجھ لیا جائے تو اس سے غالب
ذہنیت یا اس کے کمالِ شعرگوئی کے متعلق جو نتائج اخذ ہوں گے وہ غیر مکمل مواد پر مبنی
ر غلط ہوں گے ۔

اور داغ آپ کی غلامی کا — خاص بہام کا ہے زیبِ سُریں
بندہ پرور تمنا طرازی سے — مدعا عرضِ فنِ شعر نہیں
آپ کی مدح اور میرا منہ — گر کہوں بھی تو آئے کس کو یقیں
اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سے — ہو گیا ہوں نزار و زار و حزیں
پیری و نیستی! خدا کی پناہ — دستِ خالی و خاطرِ غمگیں
صرف اظہار ہے ارادت کا — ہے قلم کو جو سجدہ ریز ہیں
مدح گستر نہیں دعا گو ہے — غالبِ عاجزِ نیاز آگیں
ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں — تم رہو زندہ جاوداں آمیں!

جنوری ۱۸۶۵ء

قطعہ

خواندی بہ نوبہار مرا جانبِ چمن — زیں برگ ہا کہ سبز چہ گردد آورم نوا
گفتی گل است کز رنگ را تواں فروخت — گفتی ہواست گنج می بارد از ہوا
گفتی مے است مے نکند جوع را علاج — گفتی غنا غنی نتواں شد بدیں غنا
گفتی بتانِ سیمتن و گوہریں پرند — طاؤس وار جلوہ طرازند جا بجا
آں روے و موے و سینہ و ساعد ازانِ تو — پیرایہ ہر چہ از گہر و زر بود مرا

نسخہ حمیدیہ، قلمی نسخہ رامپور کے علاوہ معاصرانہ تذکروں پر رکھی۔ اور گلشن بے خار۔ آثار الصنادید، جلوۂ خضر اور دوسرے تذکروں کی بنا پر ان غزلیات کو علیحدہ کیا جن کے اشعار اُن تذکروں میں منتخب کیے گئے تھے۔ خوش قسمتی سے اس تلاش و تحقیق کے دوران میں ہمیں کلام غالب کے ایسے نادر معاصرانہ نسخوں کا سراغ مل گیا جو ان تذکروں کے اشعار سے کہیں زیادہ مکمل اور قابل اعتماد تھے اور جنہوں نے ہمیں بہت حد تک ان تذکروں سے بے نیاز کر دیا۔ کلام غالب کی موجودہ تاریخی تدوین بیشتر انہی نسخوں پر مبنی ہے۔ غالب نامہ کی پہلی اشاعت کے وقت ہم نے دیوان غالب اردو طبع اول (مملوکہ خان بہادر سید ابو محمد صاحب) قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ (بانکی پور لائبریری)، قلمی نسخہ دیوان فارسی (رامپور لائبریری)، نسخہ حمیدیہ اور تذکرہ گلشن بے خار سے خاص طور پر استفادہ کیا تھا۔ دوسری اشاعت کے لئے قلمی نسخہ دیوان اردو (مملوکہ حافظ محمود خاں صاحب شیرانی) دیوان اردو طبع ثانی (۱۸۴۷ء) اور دیوان فارسی طبع اول (۱۸۴۵ء) سے مدد لی تھی۔ اور اب ان مآخذ کے علاوہ رامپور کے اس قلمی نسخے سے مدد لی ہے جس کے شروع میں منتخب اردو دیوان سے دیباچہ کی تاریخ تحریر ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ درج ہے۔ ان سب کے تنقید ہونے کے بعد ہم نے کلام غالب کو مندرجہ ذیل پانچ دوروں میں ترتیب دیا ہے:

پہلا دور
۱۸۲۱ء

اس دور میں ان اشعار کا انتخاب ہے۔ جو پچیس[۲۵] برس کی عمر سے پہلے لکھے جا چکے تھے۔ اور نسخہ حمیدیہ کے متن میں موجود ہیں۔ ہم نے ان اشعار کو تمام کا تمام درج کرنے کے بجائے فقط انتخاب دینے پر اس لئے اکتفا کی ہے۔ کہ اس دور کے اشعار کو مفتی انوار الحق نے بھی باقی اشعار سے علیحدہ شائع کیا ہے۔ تمام اشعار کو مطبوعہ نسخہ حمیدیہ سے نقل کرنے کے لئے نہ کسی

اس اصولی نقص کے علاوہ فارسی سے ناواقفیت یا بے اعتنائی کی وجہ سے
ڑ صاحب نے تصنیفاتِ غالب کی تعیین میں کئی غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً ایک مسلّمہ
ل ہے کہ کسی خط کی تاریخ تحریر اس کے مضمون سے معیّن ہو سکتی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب
، اپنی کتاب کے صفحہ ۴۰ پر اسے واضح کرنے کے لئے جو مثال دی ہے وہ خود غلط ہے
مرزا کے دو خطوط کا ذکر کرتے ہوئے جو ۱۸۶۳ء کے ہیں۔ اور جن میں غالب کے اردو دیوان
لرہے لکھتے ہیں۔ "اسی طرح نواب ضیاء الدین خان کے نام کا وہ خط بھی جو بلا تاریخ ہے
جس کا اقتباس درج ذیل ہے) اسی سال سے منسوب ہونا چاہیئے :-

جناب قبلہ و کعبہ، آپ کو دیوان دینے میں کیوں تامل ہے . . . . .
. . . . ایک جلد ہزار جلد بن جائے۔ میرا کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش
ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہلِ عالم دیکھیں۔ تمہارے بھائی کی تعریف کی
نثر سب کی نظر سے گذرے"۔

اس خط کی تاریخ معین کرنا مشکل ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ خط اردو دیوان کے متعلق
ں۔ جو ۱۸۶۳ء میں میرٹھ گیا بلکہ فارسی کلیات کے متعلق ہے کیونکہ نہ تو اردو دیوان میں
یب ضیاء الدین کی "تعریف کا قصیدہ" ہے اور نہ ان کے "بھائی" (نواب امین الدین) کی تعریف
رؔ۔ یہ دونوں چیزیں فارسی کلیات میں ہیں۔ اور یہ خط کلیات فارسی ہی کے متعلق ہے
کلامِ غالب کی تاریخی تدوین کا خیال ہمیں ڈاکٹر لطیف کی کتاب پڑھ کر ہوا۔ اسلئے
سبب ہم نے غالب کے فارسی خطوط کا بغور مطالعہ کیا اور دیکھا کہ غالب نے ایک طویل
ِ عمر میں اردو شعر گوئی ترک کر رکھی تھی تو غالب کی شاعرانہ نشوونما سمجھنے کے لئے اس
بات کی ضرورت ہمیں اور بھی محسوس ہوئی۔ شروع شروع میں ہم نے تاریخی تدوین کی بنا

ہوا ہے ۔ اسی طرح قیامِ کلکتہ کی ذیل کی اُردو غزل بھی اس نسخے کے حاشیے پر موجود ہے ۔

واں پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو
صد رہ آہنگِ زمیں بوس قدم ہے ہم کو

اس قلمی نسخے کے متعلق ابھی مزید تحقیق اور غور و خوض کی ضرورت ہے اور شاید بالآخر ملہ کرنا پڑے کہ اگرچہ اس نسخے میں ۱۸۲۷ء سے پہلے کے قریب قریب سب اشعار درج ہیں لیکن اسے پیدائش سے اس زمانے تک کے اشعار کا مکمل مجموعہ نہیں کہا جا سکتا ۔ اس کے بیچ آخر کے چند صفحات غائب ہیں ۔ اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نسخہ کلامِ غالب کی تاریخی تدوین میں بڑا قابلِ قدر ہے ۔ البتہ اس زمانے کے اشعار بہت حد تک شامل ہو سکتے ہیں جب مرزا اردو چھوڑ کر فارسی کو اپنی زبانِ شعر و سخن بنا رہے تھے ۔

۱؎ جس وقت یہ دیوان نقل کیا گیا (۱۸۲۶ء) اس وقت مرزا ابتدائی کلام پر نظرِ ثانی کر رہے تھے ۔ چنانچہ کئی پہلی غزلوں کے نئے نئے نسخہ شیرانی کے متن میں موجود ہیں ۔ لیکن دیوانِ ریختہ کا انتخاب کی نوبت ابھی تک نہ آئی تھی ۔ مرزا غالب نے ایک خط میں حکیم احسن اللہ خان کو دیوانِ ریختہ کا فارسی دیباچہ بھیجنے کا ذکر کیا ہے ۔ حالی کا بیان ہے کہ یہ خط کلکتہ سے لکھا گیا ۔ حالی کی عبارت سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے ۔ اگر یہ خط موجودہ منتخب دیوان کے متعلق ہے ۔ گزشتہ مدرسہ نتیجہ اخذ کرنا بیجا نہ ہو کہ اردو دیوان کا انتخاب قیامِ کلکتہ کے دوران میں ہوا چونکہ گلِ رعنا میں جتنی ابیات اشعار منتخب ہوئے ہیں جنہیں مرزا نے منتخب اردو دیوان سے خارج کیا اس لئے قرینِ قیاس ہے کہ یہ انتخاب گلِ رعنا کی ترتیب کے بعد ہوا ۔ عجب نہیں کہ گلِ رعنا کی ترتیب کے دوران ہی میں مرزا کو منتخب اردو دیوان مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو ۔

خاص محنت کی ضرورت ہے۔ اور نہ اس میں کوئی ادبی مصلحت ہے۔ یہ اشعار بلحاظِ تغزل اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے کم پایہ ہیں۔ جو حضرات غالب کے ابتدائی دَور کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہیں۔ ان کے لئے مطبوعہ نسخۂ حمیدیہ میں ابتدائی غزلیات علیحدہ ترتیب دی ہوئی موجود ہیں۔ ہم نے فقط ایسے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔ جو ادبی نقطۂ نظر سے قابلِ قدر ہیں۔ اور غالب کے ابتدائی طرزِ شاعری کو بھی نمایاں کرتے ہیں ۔

دُوسرا دَور
۱۸۲۱ء سے ۱۸۲۷ء

اس ضمن میں وہ اُردو اشعار ہیں جو نسخۂ حمیدیہ کے متن میں درج نہیں۔ لیکن اس قلمی نسخے میں موجود ہیں جو پروفیسر شیرانی کے کتب خانے کی زینت ہے۔ اس نسخے پر تاریخِ کتابت درج نہیں۔ لیکن داخلی شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ نسخہ مرزا کے سفرِ کلکتہ (۱۸۲۶ء) سے کچھ عرصہ پہلے لکھا گیا۔ اور مرزا کی دو غزلیں جو اس سفر کے دوران میں لکھی گئیں۔ اس نسخے کے حاشیے پر درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی یا لکھنؤ میں کوئی صاحب تھے۔ جنہیں مرزا اثنائے سفر میں اپنا کلام بھیجتے رہے۔ حاشیے کی دو غزلوں کے متعلق تصریح ہے۔ کہ وہ باندہ سے بھیجی گئیں۔ ان دو غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں ؎

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

اور مطلع:

آبرو کیا خاک اس گُل کی جو گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں

ان میں سے پہلی غزل کے ساتھ "از باندہ فرستادند" اور دوسری سے پہلے "از باندہ رسید"

چوتھا دور
۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۷ء

اس دور میں وہ اردو اشعار ہیں۔ جو اردو دیوان کے دوسرے مطبوعہ نسخہ ۱۸۴۷ء میں درج نہیں۔ لیکن اس قلمی نسخے میں موجود ہیں۔ جو مرزا نے ۱۸۵۷ء میں رام پور بھیجا۔ اس زمانے کے فارسی اشعار کا انتخاب بھی اس دور میں شامل ہے۔

پانچواں دور
۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۹ء

اس دور میں وہ اردو اور منتخب فارسی اشعار ہیں۔ جو غدر کے بعد لکھے گئے۔ اور جن کی تاریخ تصنیف شاعر کے خطوط یا دوسرے ذرائع سے معین کی جا سکتی ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے ہم اتنا کہہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ "مکمل شرح کلام غالب" نے جن بہت سی غیر مطبوعہ غزلوں کو مولینا مہر۔ نیاز فتحپوری۔ مولینا عبدالباری آسی۔ نجم نجبن رکھوی اور دوسرے اہل قلم حضرات نے غالب کے نتائج طبع مان لیا ہے۔ انہیں کلام غالب ماننے میں ہمیں تامل ہے۔ ہمارے وجوہ بالاختصار یہ ہیں:-

(۱) جس بیاض سے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں۔ اس کے مالک، مرتب اور کاتب کے متعلق کوئی قابل ذکر واقفیت نہیں۔ تاریخ کتابت بھی اس پر درج نہیں۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ "کوئی صاحب شاگرد تھے۔ ان کو مرزا نے وقت لے وقت رام پور میں یہ غزلیں لکھیں اور وہ ان کے پاس رہیں۔ ان کا خیال تھا کہ جب دیوان طبع ہوگا تو یہ غزلیں اس میں شریک کر دی جاوینگی" مرزا کے خطوط سے ظاہر ہے۔ کہ وہ رام پور صرف دو دفعہ گئے۔ ایک دفعہ جنوری ۱۸۶۰ء کے آخر میں اور دوسری دفعہ اکتوبر ۱۸۶۵ء میں۔ دوسری دفعہ جب مرزا رامپور گئے تو ان کی عمر اڑسٹھ سال سے زیادہ تھی۔ اور ضعف کی حالت ناگفتہ بہ۔ ایسی حالت میں یہ خیال کرنا عبث ہے کہ انہوں نے بیسیوں ایسی غزلیں

تیسرا دور ۱۸۲۷ء سے ۱۸۴۷ء

اس دور کے فارسی اشعار کو ہم نے تین مختصر دوروں میں تقسیم کیا ہے

(ا) لالۂ صحرا ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۳ء تک۔ یعنی ان اشعار کا انتخاب جن کے متعلق داخلی شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سفرِ کلکتہ کے دوران میں لکھے گئے۔

(ب) گلِ رعنا ۱۸۳۳ء سے ۱۸۳۸ء تک یعنی ان اشعار کا انتخاب جو غالب سفرِ کلکتہ کے بعد لکھے گئے۔ لیکن قلمی نسخہ بانکی پور لائبریری (۱۸۳۸ء) میں موجود ہیں۔

(ج) بادۂ شیراز ۱۸۳۸ء سے ۱۸۴۷ء تک۔ یعنی ان اشعار کا انتخاب جو قلمی نسخہ بانکی پور کے بعد لکھے گئے۔ لیکن دیوانِ غالب مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں موجود ہیں۔ یا دوسرے ذرائع سے اس دور میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

(د) گلبنِ ہندی۔ اس بیس سال کے عرصے میں مرزا کی توجہ زیادہ تر فارسی شعرگوئی کی طرف تھی لیکن کبھی کبھار وہ اردو شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ ان اردو اشعار کو جو نسخۂ شیرانی کے متن یا حاشیے میں نہیں لیکن دیوانِ غالب کے دوسرے مطبوعہ ایڈیشن (مئی ۱۸۴۷ء) میں موجود ہیں ہم نے گلبنِ ہندی کے تحت جمع کیا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں وہ اشعار ہیں۔ جو نسخۂ شیرانی میں نہیں۔ لیکن رام پور لائبریری کے اس قلمی نسخے میں ہیں جس کے شروع میں دیباچہ مورخہ ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۸ ہجری درج ہے۔ (ان اشعار کی تفصیل ہمیں مولوی امتیاز علی عرشی مہتمم کتب خانۂ رام پور کی عنایت سے دستیاب ہوئی۔) دوسرے حصے میں وہ اشعار ہیں۔ جو رام پور کے اس قدیمی نسخے میں نہیں۔ لیکن دیوانِ غالب کے دوسرے ایڈیشن میں موجود ہیں۔ جو اشعار پہلے مطبوعہ ایڈیشن (۱۸۴۱) میں بھی موجود تھے۔ ان کی علیحدہ تصریح کر دی گئی ہے۔

(۴) اس زمانے میں مرزا نے جو غزلیں لکھیں۔ اُن کے خیالات سادہ اور زبان صاف ہے۔ مثلاً ؎

میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

لیکن مولینا آسی نے جو اشعار شائع کئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر دقیق ہیں۔ اور مرزا کے اس زمانے کے طرزِ شعرگوئی کے مطابق نہیں۔ جو اشعار سادہ ہیں وہ بھی مرزا کے کلام کی ان خصوصیات سے عاری ہیں۔ جو ان کے اس زمانے کے اردو اشعار کا مایہ الامتیاز ہیں۔ ایک شعر تو ایسا ہے کہ اس کے پڑھنے سے میر امانی اسد کا دیوان یاد آتا ہے جس کی وجہ سے مرزا نے اپنا تخلص بدل دیا تھا ؎

وفا جفا کی طلب گار ہوتی آئی ہے
ازل کے دن سے یہ ابلہ ہوتی آئی ہے

(۵) مرزا کے علاوہ غالب علی خان اور تین دوسرے شعراء کا تخلص غالب تھا۔ اگر بیاض کے سارے اشعار غالب کے ہیں تو ممکن ہے کہ وہ کسی اور غالب کے ہوں۔ مرزا کے یقیناً نہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر ان غیر مطبوعہ غزلیات کو ہم نے مرزا غالب سے منسوب نہیں کیا اور ان کا انتخاب اُن کی شاعری کے کسی دور میں نہیں دیا۔

لکھی ہوئی ہیں جو دقیق خیالات سے پُر ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ یہ غزلیں کسی کی فرمائش پر بھی نہیں لکھی گئیں۔ اور ان میں نواب رامپور کی طرف کسی جگہ اشارہ نہیں۔ مرزا نے بہادر شاہ کی فرمائش پر جو غزلیں لکھیں۔ ان میں بادشاہ کا ذکر اکثر آجاتا ہے۔ اب اگر مرزا نے یہ غزلیں بامر مجبوری فرمانروائے رامپور کے ارشاد پر لکھیں تو کم از کم ایک غزل میں تو نواب کا ذکر ہوتا۔ غالب نے رامپور کا پہلا سفر ۱۸۶۰ء میں اختیار کیا۔ اس سفر کے دوران میں انہوں نے نواب ضیاء الدین کی فرمائش پر نواب صاحب رامپور سے اپنے دیوان کا نسخہ لے کر نواب ضیاء الدین کے پاس بھیجا۔ واپسی پر میرٹھ اُترے تو منشی ممتاز علی نے ان سے طباعت کے لئے دیوان مانگا۔ اور جیسا کہ مرزا کے خطوں سے ظاہر ہے۔ انہوں نے نواب ضیاء الدین سے یہ نسخہ لے کر میرٹھ بھیج دیا۔ اب اگر ان تیجیس غزلوں کے متعلق یہ بیان درست ہے کہ وہ دیوان کی طباعت کے وقت شامل کی جانے والی تھیں۔ تو بڑا تعجب ہے کہ اس فیصلے کے تھوڑے عرصے بعد جب مرزا نے میرٹھ میں اپنے دیوان کی اشاعت کا انتظام کیا تو اپنے تازہ ترین کلام کو اس میں شامل نہ کیا۔

(۳) مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام غالب کے اُردو خطوط موجود ہیں۔ لیکن رامپور کے سفر میں وہ غالب کے شریک نہ تھے۔ غالب انہیں ایک خط میں لکھتے ہیں: "قبلہ و کعبہ! فقیر پا در رکاب ہے۔ سہ شنبہ۔ چہار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازمِ رامپور ہوں گا ...... اب جو کوئی خط آپ بھیجیں۔ مکان کا پتہ لکھنا ضروری نہیں شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔" ظاہر ہے کہ اگر شاکر صاحب رامپور ہوتے تو انہیں مرزا کے نام (اور شہر کے نام سے) خط لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ غالب کے خطوط میں مولوی عبدالرزاق کے سوا اور کسی شاکر کا ذکر نہیں۔

ریختہ

رنگِ بیدل
بادۂ نیم رس

۱۸۰۶ء (؟) تا ۱۸۲۱ء

فہرست مآخذ

۱۔ دیوانِ غالب اُردو قلمی نسخہ بھوپال لائبریری ۱۸۲۱ء
۲۔ دیوانِ غالب اُردو قلمی نسخہ مملوکہ پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی (۱۸۲۷ء ؟)
۳ منتخب دیوانِ غالب اُردو قلمی (۱۲۴۸ھ) رامپور اسٹیٹ لائبریری
۴ میخانۂ آرزو (فارسی نظم و نثر) قلمی ۱۲۴۴ خدا بخش لائبریری (۱۸۳۸ء)
۵ دیوانِ غالب فارسی قلمی نسخہ انجمن لائبریری علی گڑھ (۱۸۴۱ء)
۶ دیوانِ غالب اُردو مطبوعہ (۱۸۴۱ء) مملوکہ خان بہادر سید ابو محمد صاحب
۷ دیوانِ غالب فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء رام نگر اسٹیٹ (بنارس) لائبریری
۸ دیوانِ غالب اُردو مطبوعہ ۱۸۴۷ء
۹ دیوانِ غالب فارسی قلمی (۱۸۴۷ء ؟) رام پور لائبریری
۱۰ دیوانِ غالب اُردو قلمی نسخہ ۱۲۷۱ رام پور اسٹیٹ لائبریری (۱۸۵۵ء)
۱۱ دیوانِ غالب (اُردو) مطبوعہ
۱۲ کلیاتِ نظم فارسی (مطبوعہ)
۱۳ سبدِ چین (مطبوعہ)

دیباچهٔ دیوانِ ریختہ

مشامِ شمیم آشنایاں را صلا. و نهادِ انجمن نشیناں را مژده. که نسخهٔ از سامانِ سحرگردانی آماده و دامنهٔ
از جوهرِ هندی دست بهم داده است. نه چو بهاے سنگ شعب خورده ناهنجار ناطبعی شکستهٔ بے اندام تراشیده
بلکه بر تیغ شگفته. بکار در ریزه ریزه کرده ابروهاں خراشیده. اے دود نفس که اخگر تمناے شوق جستجوے آتش
پارسی است نه آتشے که در کلبهاے هند افسرده و خاموش و از کف خاکستر برگ خودش سیه پوشی چه بر روے
مسلّم است تا پاکی باستخواں مرده تا بر شکستن از دیوانگی بر رشتهٔ شمع مزار کشته ام و گیتی بسر آئینه بدل که اخگر نیز ریزد
و بزم افروختن را شاید. تیغ آتش بسر شمع برافروزنده و آتش پرست را به باد فراهم در آتش سوزنده. نیکه پیدا اند
که بشوهنده هیولاے آں رخشنده آذر لعل در آتش است. که بچشم روشنی بهو زنگ از سنگ بیروں تافته
و در ایوانِ لهاسپ نشو و نما یافته حسن را فروغ است و لاله را رنگ و مے را چشم و گل را چراغ بخشنده.
یزداں درونِ تحسین برافروزد راسپاسم که شرارے از آں آتش تابناک در خاکستر خویش یافته ام و کاو و سینه شگافته ام.
داد نفس همه برآں برنهاده بود که در کلم پایهٔ روزگاراں آنچه فراهم تواند آمد که جمره را فر روشنائی چراغ و رائحه عود
را بال شناسائی دماغ تواند بخشید. همانا نگارندهٔ ایں نامه را آں در سر است که پس از انتخاب دیوانِ ریخته
گرد آوردنِ سرمایهٔ دیوانِ فارسی برخیزد و استغفانه کمال ایں فرو پرفن پس زانوے خویش نشیند. امید که
سخن سرایاں سخنوَرستانے پراگندهٔ ابیاتے را که خارج از ایں اوراق یابند از آثار تراوش رگِ کلکِ ایں
نامه سیاه نشناسند. و جامه گرد آورنده را در ستائش و نکوهش آں اشعار ممنون و ماخوذ ندانند. یارب،
ایں بوے هستی ناشنیده و از هستی به پیدائی نادمیده یعنی نقشِ بضمیر آمده نقاش که اسد اللّٰه خان موسوم به میرزا
نوشه معروف و غالب تخلص است. چناں که اکبرآبادی مولد و دهلوی مسکن است. فرجامِ کارِ تجفی بدرفن نیز باد!

تمام شد بدستِ چهارم شهر ذیقعده ۱۲۴۸ ہجری

غالب

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا

اسد اللہ خاں قیامت ہے!

رنگِ بیدل

غزلیات

بشغلِ انتظارِ مہ وشاں در خلوتِ شب ہا
سرِ تارِ نظر ہے رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

کرے گر فکرِ تعمیرِ خرابی ہائے دل گردوں
نہ نکلے خشت مثلِ استخواں بیرونِ قالب ہا

عیادت ہائے طعن آلودِ یاراں زہرِ قاتل ہے
رفوئے زخم کرتی ہے بہ نوکِ نیشِ عقرب ہا

مجھے ہے حسنِ خوباں پرستی میں مشتاقگی اپنی
کہ ہے تہ بندیِ خطِ سبزۂ خط در تہِ لب ہا

فنا کو عشق ہے بے مقصداں حیرت پرستاراں
نہیں رفتارِ عمرِ تیز رو پابندِ مطلب ہا

اسدؔ کو بت پرستی سے غرض درد آشنائی ہے
نہاں ہیں نالۂ ناقوس میں در پردہ یا رب ہا

یک گام بیخودی سے لوٹیں بہارِ صحرا
آغوشِ نقشِ پا میں کیجے فشارِ صحرا

وحشت اگر رسا ہے، بے حاصلی ادا ہے
پیمانہ ہوا ہے۔ مشتِ غبارِ صحرا

اے آبلہ کرم کر۔ یاں رنجہ اک قدم کر
اے نورِ چشمِ وحشت۔ اے یادگارِ صحرا

وا در رکابِ صحرا، ویرانہ خرابِ صحرا
موجِ سرابِ صحرا عرضِ خمارِ صحرا

تشریحات

۱ ۔ غالب نے جو اشعار ابتدائے شعر گوئی سے پچیس برس کی عمر تک لکھے ۔ انہیں ہم نے
دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ۔

(الف) رنگِ بیدل کے ضمن میں اُن غزلوں کے اشعار درج ہیں جنہیں بوجہ دیوان مرتب
کرنے کے وقت مصنف نے بالکل نظر انداز کر دیا اور جو غالباً بالکل ابتدائی شعر گوئی کا
نمونہ ہیں ۔ اُن میں سے ہم نے ایسے اشعار کا انتخاب دیا ہے ۔ جو شاعر کی ابتدائی
طرزِ شاعری کو نمایاں کرتے ہیں اور ادبی نقطۂ نظر سے بھی بے مایہ نہیں ؛

(ب) بادۂ نیم رس کے تحت ان غزلیات اور قصائد کا انتخاب ہے جنہیں شاعر نے
پچیس برس کی عمر سے پہلے لکھا تھا ۔ اور جن کے اکثر اشعار منتخب دیوانِ ریختہ میں درج ہیں ؛

۲ ۔ ان صفحات میں جب کسی شعر کے مقابل "م" درج ہو تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اگرچہ ردیف
اور قافیہ کی وحدت کی وجہ سے یہ شعر باقی اشعار کے ساتھ درج ہے لیکن یہ اس
دور کا نہیں بلکہ شاعر نے بعد میں اضافہ کیا ہے ؛

۳ ۔ جہاں کسی شعر کے بالمقابل "ق" درج ہو وہاں اس شعر کو اس سے پہلے دور کا شعر سمجھنا چاہیئے ؛

۴ ۔ جہاں ایک غزل کے چند اشعار ایک لکیر کے بعد درج ہیں وہ اس دور کے نہیں بلکہ
شاعر نے بعد میں اضافہ کئے ہیں ۔ عموماً ایسے اشعار دورِ اول کے دوسرے حصے میں ملینگے
جنہیں [illegible]

دل و جگر تفِ فرقت سے جل کے خاک ہوئے　　ولے ہنوز خیالِ وصال خام رہا
شکستِ رنگ کی لائی سحر شبِ سنبل　　پہ زلفِ یار کا افسانہ نا تمام رہا
دہانِ تنگ مجھے کس کا یاد آیا تھا　　کہ شب خیال میں بوسوں کا اژدحام رہا

نہ پوچھ حالِ شب و روزِ ہجر کا غالب
خیالِ زلف و رخِ دوست صبح و شام رہا

ہے بہاراں میں خزاں پرور خیالِ عندلیب　　رنگِ گل آتشکدہ ہے زیرِ بالِ عندلیب
عشق کو بہ رنگِ شانِ حسن سے ہے ناز　　مصرعِ سروِ چمن ہے حسبِ حالِ عندلیب
عمر میری ہو گئی صرفِ بہارِ حسنِ یار　　گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب
منع مت کر حسن کی ہمکو پرستش سے کہ ہے　　بادۂ نظارۂ گلشن حلالِ عندلیب

ہے کرم موقوف بر وقتِ دگر کارِ اسد
اے شبِ پروانہ و روزِ وصالِ عندلیب

ناخنِ دخلِ عزیزاں یک قلم ہے نقب زن　　پاسبانیِ طلسمِ گنجِ تنہائی عبث
محملِ پیمانۂ فرصت ہے بردوشِ حباب　　دعوئے دریا کشی و نشۂ پیمائی عبث
اے اسد بیجا ہے نازِ سجدۂ عرضِ نیاز　　عالمِ تسلیم میں یہ دعوئے آرائی عبث

قیس بھاگا شہر سے شرمندہ ہو کر سوئے دشت
م
بن گیا تقلید سے میری یہ سودائی عبث

قطعِ سفرِ ہستی و آرامِ فنا ہیچ　　رفتار نہیں بیشتر از لغزشِ پا ہیچ

ہر ذرہ یک دلِ پاک آئینہ خانۂ خاک   تمثالِ شوقِ بیباک صد جا دوچار صحرا
دیوانگیٔ اسد کی حسرت کشِ طرب ہے
در سر ہوائے گلشن ، در دل غبارِ صحرا

وحشیِ بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
رشتۂ چاکِ جیبِ دریدہ صرفِ قماشِ دام کیا

مُہر بجائے نامہ لگائی بر لبِ پیکِ نامہ رساں
قاتلِ تمکیں سنج نے یوں خاموشی کا پیغام کیا

شامِ فراقِ یار میں جوشِ خیرہ سری سے ہم نے اسد
ماہ کو در تسبیحِ کواکب جائے نشینِ امام کیا

گرفتاری میں فرمانِ خطِ تقدیر ہے پیدا   کہ طوقِ قمری از ہر حلقۂ زنجیر ہے پیدا
زمیں کو صفحۂ گلشن بنایا خونچکانی نے   چمن بالیدنی ہا از رمِ نخچیر ہے پیدا
نہاں ہے کیفِ لبِ نازک پہ فرطِ نشۂ مے سے   لطافت ہائے جوشِ حسن کا منہ شیر ہے پیدا
عروجِ نا امیدی چشمِ زخمِ چرخ کیا جانے   بہارِ بے خزاں از آہِ بے تاثیر ہے پیدا
اسد جس شوق سے ذرے تپش فرسا ہوں زنداں میں
جراحت ہائے دل سے جوہرِ شمشیر ہے پیدا

بہ مُہرِ نامہ جو بوسہ گل پیام رہا   ہمارا کام ہوا اور تمہارا نام رہا
ہوا نہ مجھ سے بجز دردِ حاصلِ صیاد   بسانِ اشک گرفتارِ چشمِ دام رہا

غزلیاتِ فارسی

هم انا اللہ خواں درختے را بگفتار آورد
هم انا الحق گوئے مردے را بسرِ دار آورد

اینکہ پنداری کہ ناچار است گردوں در روش
نیست ناچار آنکہ گردوں را برفتار آورد

نکتہ داریم و بایاراں نمے گوئیم فاش
طالبِ دیدار باید تابِ دیدار آورد

آں کند قطعِ بیاباں، ایں شگافد مغزِ کوہ
عشق ہر یک را بطرزِ خاص در کار آورد

جذبِ شوقش ہیں کہ در ہنگامِ برگشتن ز دیر
در قفائے خویشتن بت را برفتار آورد

دانہا چوں ریزد از تسبیح تا سے پیش نیست
ایں شہید دہر گاہ از سبحہ زنار آورد

نزدِ ما حیف است گو نزدِ زلیخا میل باش
جذبہ کز چاہ یوسف را ببازار آورد

حیرت ہمہ اسرار پہ مجبورِ خموشی — ہستی نہیں جز بستنِ پیمانِ وفا ہیچ
تمثالِ گدازِ آئینہ ہے عبرتِ بینش — نظّارہ تحیّر، چمنستانِ بقا ہیچ
گلزارِ دمیدن، شررستانِ رمیدن — فرصت تپش و حوصلۂ نشو و نما ہیچ
آہنگِ عدم نالہ بہ کہسار گرو ہے — ہستی میں نہیں شوخیِ ایجادِ صدا ہیچ
کس بات پہ مغرور ہے اے عجزِ تمنّا — سامانِ دعا وحشت و تاثیرِ دعا ہیچ
آہنگِ اسدؔ میں نہیں جز نغمۂ بیدل
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

تو پستِ فطرت اور خیالِ بسا بلند — اے طفلِ خود معاملہ قد سے عصا بلند
ویرانے سے جز آمد و رفتِ نفس نہیں — ہے کوچہ ہائے نے میں غبارِ صدا بلند
رکھتا ہے انتظارِ تماشائے حسنِ دوست — مژگانِ باز ماندہ سے دستِ دعا بلند
موقوف کیجیے یہ تکلّف نگاریاں — ہوتا ہے ورنہ شعلۂ رنگِ حنا بلند
ہے دلبری کمیں گہِ ایجادِ یک نگاہ — کارِ بہانہ جوئیِ چشمِ حیا بلند
بالیدگی نیازِ قدِ جاں فزا اسدؔ
در ہر نفس بقدرِ نفس ہے قبا بلند

حسرتِ دستگہ و پائے تحمّل تا چند — رگِ گردن خطِ پیمانۂ بے مُل تا چند
کوکبِ بخت بجز روزنِ بے دود نہیں — عینکِ چشمِ جنوں حلقۂ کاکل تا چند
چشم بے خونِ دل و دل تہی از جوشِ نگاہ — بزباں عرضِ فسونِ ہوسِ گل تا چند

هر انارے را کہ افشاریم از وے خوں چکد
هر نہالے را کہ بنشانیم دل بار آورد
نیست چوں در منطقش جز ذکر شاہد حرف و صوت
شاہدے باید کہ غالبؔ را بگفتار آورد (۱۸۶۵ء)

از جسم بجاں نقاب تا کے   ایں گنج دریں خراب تا کے
ایں گوہر پر فروغ یارب   آلودۂ خاک و آب تا کے
ایں راہ رو مسالک قدس   وا ماندۂ خورد و خواب تا کے
بیتابی برق جز دمے نیست   ما وین ہمہ اضطراب تا کے
جاں در طلب نجات تا چند   دل در تعب عتاب تا کے
پرسش ز تو بے حساب باید   غمہائے مرا حساب تا کے
غالبؔ بچنیں کشاکش اندر
با حضرت بوتراب تا کے!

رباعی

خواندیم سخنہائے محبت بسیار   راندیم سخنہائے محبت بسیار
رفتیم آخر ز عالم و در عالم   ماندیم سخنہائے محبت بسیار

خاتمہ

دم واپسیں بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو گوپال داس مینیجر چھپا اور شیخ محمود احمد نظامی سلسلہ [illegible] نے شائع کیا